

جامعہ دارالتحوی لاهور کا ترجمان

# دارالتحوی



ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ -- اگست 2019ء

اسلام کا نظام کفالتِ عامہ

قریبی کے احکام و مسائل

ریاستِ مدینہ کیسی ہو ؟

اینی تجارت کو با برکت بنائیں

# شرعی مصرف - صدقہ جاریہ

# زبانی کی کھلیں

## جامعہ دارالتحقیقی کو دیں۔

کھال جمع کرانے کا مرکز

الہلال مسجد چوبرجی پارک لاہور

کھال خود پہنچائیں یا ہم سے رابطہ کریں۔

042-37414665

0321-7771130, 0333-4312039

موڑ فرخ آباد، نزد PSO پٹرول پمپ

شاہدرہ لاہور

بنین کھال خود پہنچائیں یا ہم سے رابطہ کریں۔ بنات

042-37940830 / 042-37902200  
03324287465

سیٹی لائٹ ٹاؤن سبزہ زار کالونی، لکی ہوٹل شاپ  
میں فیروز پور روڈ، لاہور

کھال خود پہنچائیں یا ہم سے رابطہ کریں۔

0300-6014152

212 - احمد بلاک، گارڈن ٹاؤن  
لاہور

کھال خود پہنچائیں یا ہم سے رابطہ کریں۔

042-35838794

مرکزی دفتر: متصل جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک، ملتان روڈ، لاہور

Ph: 042-37414665

# دَارُ الْتَّقْوَىٰ

ماہنامہ لاہور ۵

ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ -- اگست 2019ء

زیرسپتی

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ  
حضرت مولانا یوسف خان صاحب مدظلہ

جلد نمبر 8 شمارہ نمبر 12

مدرس

## حضرت مولانا اویس احمد صاحب

مولانا عبد الدود رباني  
مدیر مسئول

مجلس مشاورت

حضرت مولانا عثمان صاحب  
حضرت مولانا عامر رشید صاحب  
حضرت مولانا جیل الرحمن صاحب

مفتی محمد اسماء  
مولانا ذوالکفل

مجلس ادارت

اس دائرے میں سرخ نشان  
مدت خریداری کے ختم ہونے کی علامت ہے

نی شمارہ: ۳۰ روپے  
سالانہ بدل خرچ: ۳۵۰ روپے

سالانہ رسائلے کے اجراء کے لیے مذکورہ پتھر پر منی آڑو کریں

Email Address  
[monthlydarultaqwa@gmail.com](mailto:monthlydarultaqwa@gmail.com)

خط و کتابت کا پتہ

دفتر ماہنامہ دارالتقویٰ

متصل جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور

فون نمبر: 042-35967905  
0321-7771130

مطابق شرکت پرنٹنگ پر لینس

متصل جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور

مقام اشاعت

# فہرست

۶ اگست 2019

ماہنامہ دارالتوحی

## اداریہ

☆☆☆☆☆☆

5 مدیر مسؤول قادیانیوں کی حاليہ پھر تیاں

☆☆☆☆☆☆

درس قرآن و حدیث

8 قرآن کی حفاظت کے لئے اللہ کا حیرت انگیز انتظام مولانا حذیفہ دستانوی

☆☆☆☆☆☆

## مقالات و مضماین

13 مفتی ولی حسن ٹوپی قربانی کے احکام و مسائل

22 مفتی محمد راشد ڈسکووی اسلام کا نظام کفالت عاملہ

32 مفتی سردار محمد اشرفی اسلامی معاشرے میں قوانین کی پابندی

40 مولانا عبد الوہاب شیرازی ریاستِ مدینہ کیسی ہو؟

48 اندھے بھرے نہ بنیں۔ ہوش سے کام لیں مفتی فضل حمید

52 مفتی عبدالرؤوف سکھروی اپنی تجارت کو با برکت بنائیں

60 عبدالودود ربانی تبصرہ کتب

61 دارالافتاء و التحقیق آپ کے مسائل اور ان کا حل

65 عبدالودود ربانی جامعہ کے شب و روز

## قادیانیوں کی حالیہ پھر تیار

عام انتخابات 2018 کے بعد معرض وجود میں آنے والی تحریک انصاف کی حکومت کے وزیر اعظم جناب عمران خان ایکشن سے قبل بھی اور وزارت عظمی کا حلف اٹھانے کے بعد بھی تو اتر کے ساتھ یہ اعلان کرتے رہے کہ ہم ارض پاک کو ریاست مدینہ کی طرز پر تشکیل دیں گے۔ جہاں انصاف کا بول بالا ہوگا اور قانون کی حکمرانی ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ

ظاہر ہے یہ اعلان مذہبی حلقوں اور دین دار طبقات کے لئے بڑا خوش آئند تھا جسے سراہا گیا اور اس کی خوب پذیرائی ہوئی۔ تمام مکاتب فکر کے اکابر علمائے کرام نے وزیر اعظم سے ملاقات کر کے ان کے اس اعلان پر انہیں نہ صرف مبارک باد دی بلکہ اپنے بھرپور تعاون کا بھی لیفین دلا یا۔ اب جب کہ حکومت کو بننے لگ بھگ ایک سال ہونے کو ہے، ریاست مدینہ کی طرز پر حکومت اور معاشرے کی بنیاد تو کجا ایک اینٹ بھی نہیں رکھی گئی تو آہستہ آہستہ خوش فہمیوں میں بنتا قوم کی آس اور امید دم توڑتی نظر آ رہی ہے۔ اللہ کرے ہمارے اندازے غلط ثابت ہوں اور جب یہ حکومت اپنے پانچ سال پورے کر رہی ہو تو پاکستان حقیقی معنوں میں ایک اسلامی فلاحتی ریاست کے طور پر دنیا کے نقشے پر جگہ گارہا ہو۔

فی الحال تو نئے پاکستان میں کمر توڑ مہنگائی کے علاوہ نئے پاکستان میں نیا کچھ نظر نہیں آ رہا البتہ قادیانیت کی سرگرمیاں حیرت انگیز طور پر بڑھ گئی ہیں۔ وزیر اعظم پاکستان عمران خان کے دورہ امریکہ سے چند دن قبل وائٹ ہاؤس میں ڈنلڈ ٹرمپ نے مختلف ممالک کے ”مطلوبوں“ کو جمع کیا اور ان کی فریاد سنی۔ دنیا بھر سے ایسے لوگوں کو چنا گیا جو مختلف ممالک میں مذہبی خاص طور پر ”مسلمانوں کے ظلم“ کا شکار

ہیں۔ اکثر مسلم ممالک کے لوگ تھے جو اپنے اوپر ہونے والے ”مظالم“ کی رواداد سنا کر بادشاہ وقت کے سامنے فریدی بنے ہوئے تھے۔ پاکستان سے فرار ہونے والا شکور قادیانی ان میں سرفہرست تھا، سلمان تاشیر کا بیٹا شان تاشیر، کردوں کی نمائندہ نادیہ مراد سمیت کئی مسلمان ممالک کے ”مظلوم مسلمانوں“ نے اپنی اپنی دکھ بھری داستان ڈنلڈ ٹرمپ کے سامنے پیش کی۔ وہاں سب ہی اپنی فرید ایکر پہنچ تھے، نہیں پہنچ سکا تو مقبوضہ کشمیر کا بینائی سے محروم کیے جانے والا بارہ سالہ رکا نہیں پہنچ سکا۔ فلسطین کی مظلوم بڑی جسے اپنی کردیا گیا تھا وہ نہیں پہنچ سکی، نیوزی لینڈ میں شہید ہونے والے مسلمانوں کا نمائندہ، افغانستان کا بوڑھا جس کے چار بیٹے کارپٹ بمباری میں اڑا دیئے گئے وہ بھی غیر حاضر تھے، برما کے مظلوم مسلمان بھی اس محفل میں بلائے نہیں گئے تھے جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے معصوم بچوں کی تکہ بولی کردی گئی تھی، عراق کی بیوہ جس کے شوہر کو امریکی فوجیوں نے شک کی بنا پر گولیوں سے بھون دیا تھا اسے بھی ٹرمپ تک رسائی نہ دی گئی۔ جس کا واضح مقصد مسلمانوں کے خلاف پروگنڈا کرنا تھا، اسلام اور اہل اسلام کو بدنام کرنا تھا۔

قادیانیوں کا ٹرمپ کو شکایتیں لگانے کا مطلب اسے پاکستان کے خلاف اُکسانا تھا۔ قادیانیوں کی ایٹی سٹیٹ کارروائیاں کھل کے سامنے آجائے کے بعد ان کے خلاف آئین کے مطابق کارروائی کی جائے۔ ملک یا بیرون ملک قادیانیوں کا کوئی خیر خواہ بھی بھی پاکستان کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ عمران خان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے پاس عقیدہ ختم نبوت کے بارے میں کوئی کپر و مائز کرنے کا آئینی مینڈیٹ نہیں ہے، اگر 295C اور آئین میں موجود قادیانیوں کے خلاف شقوں کو چھیڑا گیا تو اسے بھی برداشت نہیں کیا جائے گا۔ قادیانی جعلی مظلومیت کے ذریعے غیر مسلم قوتوں کو اپنا ہمنوا بنا رہے ہیں۔ دن رات عقیدہ ختم نبوت کے خلاف سازشیں کرنے والے بہت بڑے دہشت گرد ہیں قادیانی نہ تو احمدی ہیں اور نہ ہی مسلم۔ قادیانی بک سیلبر عبدالشکور کی ٹرمپ سے ملاقات قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے۔

قادیانیوں کے ٹوپی وی چینز اور اینکر پرسنری کے کہ رہے ہیں کہ ”ہم نے تحریک انصاف کو حکومت میں لانے کے لئے بہت کچھ کیا ہے اب وقت ہے کہ عمران خان ہمارے ساتھ انصاف کریں،“ ہمیں امید ہے کہ جناب عمران خان مملکت پاکستان کے متفقہ آئین کی پاسداری کرتے ہوئے قادیانیوں کو بھی اس آئین کا پابند بنائیں گے اور ان کی غیر آئینی وغیر قانونی سرگرمیوں پر پابندی لگائیں گے۔ عمران خان کے محب رسول ہونے اور پاک سچا مسلمان ہونے میں کسی کو کوئی شک نہیں اس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ ہمیشہ کی

طرح قادیانیوں کی ریشہ دوانیاں ناکام ہوں گی۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے سالانہ ختم بنت کافرنز بمنگھم میں مورخہ 7 جولائی 2019 کو ”عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت و ضرورت اور مرزا غلام احمد قادیانی کی زبان درازیاں“ کے موضوع پر فکر انگیز خطاب فرمایا۔ قادیانیوں کے امریکی صدر کے دربار میں اپنی مظلومیت کا ڈھنڈوڑا پسٹنے کے تناظر میں حضرت مفتی صاحب کا یہ بیان عین حسب حال ہے، اس بیان کا کچھ حصہ پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

”آج کے ماحول میں خاص طور پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے، بسا اوقات ہم لوگ اس سے غافل رہتے ہیں یا اس بات کی طرف توجہ نہیں دیتے کہ آج وہ لوگ جو ایک جھوٹی نبوت کے قبضے اور پیروئے کا رہیں، وہ دنیا کے سامنے اپنے آپ کو مظلوم بنانے کے پیش کر رہے ہیں، خاص طور سے مغربی ممالک میں، ”ہمارے ساتھ ظلم ہوا ہے، ہمیں مسلمان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا ہے، ہمیں غیر مسلم قرار دے دیا گیا ہے۔ ہم تو اللہ کو مانتے ہیں، ہم رسول اللہ کو تسلیم کرتے ہیں، ہم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ہم روزے رکھتے ہیں۔“ اور یہ بات ناواقف لوگوں کو بسا اوقات اپیل کر جاتی ہے کہ ہمیں تو کوئی خاص فرق نظر نہیں آ رہا۔ یہ سب باقی لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے اور لوگوں کو مغالطہ دینے کیلئے کہی جاتی ہیں اور بسا اوقات جو لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں، ان کے دل میں اتر بھی جاتی ہیں، بات نہیں ہے کہ ہم نے ان کو اسلام سے نکالا، انہوں نے خود اپنی کتابوں کے ذریعے، اپنی تالیفات کے ذریعے، اپنے مقالوں کے ذریعے، اپنی تقریروں کے ذریعے پوری امت مسلمہ کو اسلام سے نکالا۔ انہوں نے کہا کہ جو شخص مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ نہ صرف یہ کہ مسلمان نہیں، نہ صرف یہ کہ وہ کافر ہے، بلکہ کنجروں کی اولاد ہے۔ تو بتائیے ظلم کس کی طرف سے ہوا؟... مرزا غلام احمد قادیانی نے جب دعویٰ کیا تو اس کا منطقی نتیجہ یہ کہ جو اس کو نہ مانے اس کو کافر قرار دو، تو کافر اس نے قرار دیا، وہ قوم جس کا پیشواؤ آنے کے بعد، اربوں مسلمانوں پر کفر کا قتوی لگاتا ہے، کہتا ہے یہ سب اسلام سے خارج ہیں، یہ کافر ہیں، تو بتائیے کافر کس نے قرار دیا؟“

والسلام

عبدالودود ربانی

مدیر مسؤول

## درس قرآن

از: (مولانا) حذیفہ وستانوی

استاذ: جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، نندور بار

## قرآن کی حفاظت کے لیے اللہ کا حیرت انگیز انتظام

### آخری حصہ

﴿سورة الحجر... ۹... آیت نمبر 14﴾

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الْكِتَابَ كُرُونَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

تفسیر

(6) قرآن کریم کی حفاظت کی غرض سے جہاں بہت ساری چیزوں کو تحفظ بخشنا گیا، وہیں سیرت نبوی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کو بھی محفوظ کیا۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مطالبات پر عمل کر کے بتایا تا کہ کل آکر کوئی ایسا نہ کہے ہم قرآنی مطالبات پر عمل نہیں کر سکتے، یہ تو بڑے شاق اور دشوار گذار ہیں، تو بطور نمونہ کے آپ نے عمل کر کے بتایا اور عمل بھی ایسا، جیسا اس پر عمل کرنے کا حق ہے، اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے

اخلاق کے بارے میں جب دریافت کیا گیا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ کہاں ہاں۔ تو آپ نے فرمایا ”کان خلقہ القرآن“ آپ قرآن کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ جہاں کوئی امر نازل ہوا، فوراً عمل کر کے بتایا، اسی لیے قرآن نے اعلان کر دیا۔

”لقد کان لكم فی رسول الله اسوة حسنة“

(سورۃ الاحزاب: پ 21، آیت 21)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، اے مسلمانو! تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے، دنیا میں کسی ہستی کی سیرت و حیات پر اتنا کام نہیں ہوا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پر ہوا، اور ہوتا چلا جا رہا ہے، آج بھی اس کی افادیت میں کوئی کمی محسوس نہیں ہو رہی ہے، بل کہ مزید اس کی افادیت میں اضافہ ہو رہا ہے، اللہم اجعلنا من يتبع الرسول و يطیعه۔

(7) بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو اللہ رب العزت نے اپنی آخری کتاب قرآن کے نزول کے لیے منتخب کیا اور آپ کے لیے آخری دین، دین اسلام کو تجویز کیا، قرآن کی حقانیت کو باقی رکھنے کے لیے اس کے تقدس و علوم رتبہ کو ثابت کرنے کے لیے صاحب قرآن کی عظمت اور تقدس کو باقی رکھنا بھی امرِ ناگزیر تھا، اللہ رب العزت نے اس کے لیے جو حیرت انگیز اور ترجب خیز انتظام فرمایا، اسی میں سے ایک یہ کہ آپ کے نسب مبارک کو بھی مکمل محفوظ کیا گیا، عرب جو امی تھے، مگر اس کے باوجود اقوام عالم میں ان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنے انساب کے یاد رکھنے کا بڑا اہتمام کرتے تھے یہی اہتمام بعد میں چل کر ایک فن کی حیثیت اختیار کر گیا، اور اس پر کتابیں بھی لکھی گئیں، مثلاً الانساب للامام السمعانی وغیرہ، علم الانساب کہتے ہیں اس رویاڑ کو جس میں یہ محفوظ کیا جائے کہ کون سا قبیلہ کہاں سے وجود میں آیا، کس قبیلے کے کس آدمی کا باپ کون اس کا دادا کون، اسی طرح اوپر تک اس کی شادی کہاں ہوئی، اس کی اولاد کتنی تھی، عربی قبائل میں کس قبیلے کی کس قبیلے کے ساتھ رشتہ داری تھی وغیرہ۔

اب کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ عربوں کو ان موضوعات سے دلچسپی رہی ہوگی، یا انہیں اس طرح کی

معلومات کے جمع کرنے کا شوق رہا ہوگا، لیکن بات اتنی کہنے سے نہیں ٹلتی، ڈاکٹر محمود احمد غازی ایک حیرت انگیز بات کا اکٹھاف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”جب ہم انساب کی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں، اور ان کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ایک عجیب و غریب بات سامنے آتی ہے، بہت عجیب و غریب، اتنی عجیب و غریب، کہ اس کو محض اتفاق نہیں کہا جاسکتا، وہ عجیب و غریب بات یہ سامنے آتی ہے کہ جتنی معلومات محفوظ ہوئیں، وہ مرکوز ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر حالاں کہ جس وقت انساب کی حفاظت کا کام شروع ہوا، اس وقت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ مگر اللہ کو منظور تھا کہ آپ کا نسب مکمل محفوظ اور منسلک رہے تاکہ آپ کے آباء اجداد کی علوشان، ان کی پاکبازی سے آپ کی خاندانی شرافت اور کرامت کا ثبوت فراہم ہو، اور یوں صاحب قرآن کی شان بھی قرآن کے شایان شان ہونے کا ثبوت مہیا ہو جائے، اور کسی بھی ذی ہوش و خردمند کے لیے آپ کی تکذیب کا سوال باقی نہ رہے، اور آپ کی تصدیق دل و جان سے قبول کر لے، ہاں مگر یہ کہ اس میں حسد و عناد، شرکشی و شرارت ہو، اس طرح قرآن کی حفاظت اس کے وقار اور اس کی حقانیت کے ثبوت کے لیے اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کو محفوظ کر لیا، واللہ علی کل شئ قدير۔ (سورہ البقرۃ: پ 1، آیت 60) واللہ غالب علی امرہ و لکن اکثر الناس لا یعلمون۔ (سورہ یوسف: پ 12، آیت 21)

(8) قرآن کے نزول کے وقت اس کے اولين مخاطب اور اس کے اولين حاملين حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو براہ راست مخاطب تھے، قرآن کی حفاظت کے لیے اللہ نے ایک انتظام اور بندوبست یہ بھی کیا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات کو محفوظ کروالیا، ایک اندازے کے مطابق صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی، مگر ان میں سے اکثریت آخری دور میں قبولیت اسلام سے شرف یا بھی، اس اولين حاملين، جنہیں قدیم الاسلام یا اولين مؤمنین کہا جاتا ہے، ان کی تعداد کم و بیش پندرہ بیس ہزار ہی ہوگی، اور جن صحابہ نے آپ سے زیادہ کسپ فیض کیا، ان کے حالات کو بھی اللہ نے محفوظ کر لیا، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ ان کے حالات کا علم ہو جائے اور

انہوں نے ایمانی تقاضوں اور اسلامی مطالبات کو، جس حسن و خوبی کے ساتھ عملی جامہ پہنایا، اس کی معرفت بھی حاصل ہو جائے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تو رسول تھے، ان کے ساتھ اللہ کی خاص عنایت و رحمت تھی، انہوں نے اگر عمل کیا، یہ ان کی امتیازی شان تھی، مگر جب صحابہ کی زندگیاں بھی اسی نقش قدم پر پائی، تو معلوم ہو جاتا کہ ایسا نہیں اگر انسان ارادہ کر لے، تو مکمل ایمانی تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے، جیسا کہ صحابہ نے پورا کیا، اسی لیے قرآن نے کہا:

”امنو کما آمن الناس“ ایمان لا و صحابہ جیسا ایمان لائے۔ اس میں الناس پر الف لام عہد خارجی کا

ہے، یعنی حضرات صحابہ۔

صحابہ کے حالات میں ایک عجیب پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ جو صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قریب تھے، ان کے حالات اتنے ہی زیادہ تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں، صحابہ کے حالات کی حفاظت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ صاحب قرآن کے اصحاب و احباب کا جب علم ہوتواں سے آپ کے محظ خیر بلکہ سراپا خیر ہونے کا اندازہ ہو، کیوں کہ آدمی اپنے دوستوں سے جانا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ”فانظر الی من يخالل“ کہ جب تم کسی کے بارے میں جاننا چاہو تو دیکھو کہ وہ کیسے لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کیسا ہے، انسانی تاریخ میں حضرات انبیاء کرام کے بعد اگر کوئی مقدس اور بہترین گروہ ہے تو وہ گروہ صحابہ ہے، الہذا قرآن اور صاحب قرآن کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا بھی ضروری تھا کہ قرآن پر اجتماعی عمل کیسے ہو؟ سنت اور قرآن کی اجتماعی تشکیل کس طرح ہوں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں امت نے کیسے جنم لیا؟ اور ان سوالات کے جوابات مکمل نہیں ہو سکتے تھے، مگر صحابہ کے احوال کے جانے بغیر، الہذا اللہ نے انتظام کیا، اور اولین حاملین قرآن اور اولین عاملین میں سے تقریباً پندرہ ہزار نفوس قدسیہ کے حالات نام بنام نسل بنسل دستیاب ہیں، اور الحمد للہ امت تب سے لے کر اب تک اور قیامت تک ان کے نقوش و خطوط سے استقادہ کرتی رہے گی، اور قرآن پر عمل کرنے کے لیے اسے معاون سمجھتی رہے گی، وَ الله لطیف بالعباد۔

(9) اب جب صحابہ جو قرآن کے الفاظ و معانی کے ساتھ ساتھ اس پر انفرادی و اجتماعی طور پر عمل

کرنے والے اور دنیا کو یہ بتانے والے ٹھہرے کہ قرآن قبل عمل ہی نہیں دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا ضامن ہے، تو ان کے حالات کے جانے کے لیے، ان کے اصحاب جن کوتا بعین کہا جاتا ہے، کے حالات کا قلمبند ہونا بھی ضروری تھا، تاکہ صحابہ کے حالات ہم تک یعنی ان کے بعد والوں تک صحیح طور پر پہنچ تو اس کے لیے، ان تابعین و تبع تابعین کے احوال کا تحفظ بھی ضروری تھا، کرشمہ الہی دیکھئے کہ ایسے چھ لاکھ افراد کے بارے میں پورا بابیوڈا ٹائی مکمل معلومات کو بھی اللہ نے تحفظ بخشا اور وہ بھی سرسری نہیں بلکہ ان کی پوری تفصیلات کے ساتھ، کہ یہ کون تھے؟ کس زمانہ میں پیدا ہوئے؟ ان کی شخصیت کس درجہ کی تھی؟ ان کا علم و فضل کس درجہ کا تھا؟ انہوں نے کس کس سے کسپ فیض کیا؟ ان کا حافظہ کیسا تھا؟ ان میں کیا اچھائیاں تھیں وغیرہ۔ غرضیکہ اس طور پر منقی و مصنی کر کے سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ آدمی ان کی شخصیت سے اطمینان بخش حد تک معلومات حاصل کر لے۔ اس کو فن ”اسماء رجال“ سے تعبیر کیا گیا۔ اور ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا فن ہے کہ اس کی مثال دنیا کے کسی مذہبی وغیر مذہبی فن میں نہیں ملتی، نہ مذہبی علوم میں اس کی مثال اور نہ غیر مذہبی علوم میں۔

خلاصہ کلام یہ کہ وہ چیزیں ہیں، جس کو قرآن کی حفاظت کی خاطر اللہ رب العزت نے حیرت انگیزانہ ادا میں تحفظ بخشا، اور اپنے کامل قدرت کا مظاہرہ کیا، اللہ ہمیں قرآن کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ظاہر و باطن کو قرآن کے منشاء کے مطابق بنادے۔ آمین یا رب العالمین!



### اعتذار

ماہ جولائی کے شمارے میں حافظ محمد زاہد کے مضمون ”حج بیت اللہ، شرائط، اقسام اور آدائیگی کا طریقہ“ کے صفحہ نمبر 44 پر احرام یادھے کے حوالے سے لکھا کہ ”8 ذوالحجہ کو نماز فوج مکہ میں باجماعت ادا کریں اور غسل یاوضو کر کے میقات جا کر احرام باندھ لیں۔ اسے کے بعد احرام کے دور کعت نفل ادا کریں۔“

ادارہ وضاحت کرتا ہے کہ یہ بات درست نہیں ہے درست بات یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں موجود شخص کو حج کا احرام باندھنے کے لئے میقات جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ غسل یاوضو کر کے مکہ مکرمہ میں سے ہی احرام باندھ لیں اور احرام باندھ کر دور کعت نفل ادا کریں۔ ادارہ اس غلطی پر معذرت خواہ ہے۔

مدیر مسوول

مفتي ولی حسن ٹوکی نوراللہ مرقدہ

## قربانی کے احکام و مسائل

زیر نظر فقیہ مضمون حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹوکی نوراللہ مرقدہ کا تحریر کردہ ہے، جو اس سے پہلے ماہنامہ بینات کی زینت بن چکا ہے۔ اس سال ذوالحجہ اور قربانی کے ایام کی مناسبت سے افادہ عام کی خاطر ”بینات“ کے شکریے کے ساتھ ”ماہ نامہ دارالتسقی“ کے قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

### عشرہ ذی الحجه کے فضائل:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے عشرہ ذی الحجه سے بہتر کوئی زمانہ نہیں، ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ) قرآن مجید میں سورہ ”الغفران“ میں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اور وہ دس راتیں جمہور کے قول کے مطابق یہی عشرہ ذی الحجه کی راتیں ہیں۔ خصوصاً نویں ذی الحجه کا روزہ رکھنا ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے اور عید کی رات میں بیدارہ کر عبادت میں مشغول رہنا بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

### تکبیر تشریق:

”اللہ اکبر اللہ اکبر لا إله إلا الله و الله أکبر اللہ اکبر و الله الحمد۔“

نویں تاریخ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد بے آوازِ بلند ایک مرتبہ مذکورہ تکبیر کہنا واجب ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت اور تنہا نماز پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اس طرح مرد و عورت دونوں پر واجب ہے، البتہ عورت بے آوازِ بلند تکبیر نہ کہے، آہستہ سے کہے۔ (شامی)  
عید الاضحیٰ کے دن مذکورہ ذیل امور مسنون ہیں:

صحح سویرے اٹھنا، غسل و مسواک کرنا، پاک و صاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہنانا، خوشبو لگانا، نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، عید گاہ کو جاتے ہوئے راستے میں بے آوازِ بلند تکبیر کہنا۔

### نمازِ عید:

نمازِ عید دور رکعت ہیں۔ نمازِ عید اور دیگر نمازوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت کے اندر تین تین تکبیریں زائد ہیں۔ پہلی رکعت میں ”سجانک اللہم“ پڑھنے کے بعد قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے۔ ان زائد تکبیریں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے ہیں۔ پہلی رکعت میں دو تکبیریں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں، تیسرا تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں۔ دوسری رکعت میں تینوں تکبیریں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلے جائیں۔

\*۔۔۔ اگر دورانِ نمازِ امام یا کوئی مقتدی عید کی زائد تکبیریں یا ترتیب بھول جائے تو اذدحام کی وجہ سے نماز درست ہو گی، سجدہ سہ بھی ضروری نہیں۔

\*۔۔۔ اگر کوئی نماز میں تاخیر سے پہنچا اور ایک رکعت نکل گئی تو فوت شدہ رکعت کو پہلی رکعت کی ترتیب کے مطابق قضا کرے گا، یعنی شنا ”سجانک اللہم“ کے بعد تین زائد تکبیریں کہے گا اور آگے ترتیب کے مطابق رکعت پوری کرے گا۔

نمازِ عید کے بعد خطبہ سنتا واجب ہے۔ خطبہ سنتے کا اہتمام کرنا چاہئے، خطبہ سے پہلے اٹھنا درست نہیں ہے۔

### فضائل قربانی:

قربانی کرنا واجب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ہرسال قربانی فرمائی، کسی سال ترک نہیں فرمائی۔ جس عمل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لگاتار کیا اور کسی سال بھی نہ چھوڑا ہو تو یہ اُس عمل کے

واجب ہونے کی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی نہ کرنے والوں پر وعدید ارشاد فرمائی۔ حدیث پاک میں بہت سی وعدیدیں ملتی ہیں، مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عبیدگاہ میں نہ آئے۔ علاوہ ازیں خود قرآن میں بعض آیات سے بھی قربانی کا وجوب ثابت ہے۔ جو لوگ حدیث پاک کے مخالف ہیں اور اس کو جنت نہیں مانتے، وہ قربانی کا انکار کرتے ہیں، ان سے جو لوگ متاثر ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ پیسے دے دیئے جائیں یا تینم خانہ میں رقم دے دی جائے، یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ عمل کی ایک تو صورت ہوتی ہے، دوسری حقیقت ہے۔ قربانی کی صورت یہی ضروری ہے، اس کی بڑی مصلحتیں ہیں، اس کی حقیقت اخلاص ہے۔ آیت قرآنی سے بھی یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

### قربانی کی بڑی فضیلیتیں ہیں:

مند احمد کی روایت میں ایک حدیث پاک ہے، حضرت زید بن ارقم<sup>رض</sup> کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام<sup>رض</sup> نے عرض کیا کہ: یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قربانی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرام<sup>رض</sup> نے پوچھا: ہمارے لئے اس میں کیا ثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض ایک نیکی ہے۔ اون کے متعلق فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقۃ<sup>رض</sup> فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دن اس سے زیادہ کوئی عمل محظوظ نہیں، قیامت کے دن قربانی کا جانور سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ لا یا جائے گا اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی سند لے لیتا ہے، اس لئے تم قربانی خوش دلی سے کرو۔ ابن عباس<sup>رض</sup> فرماتے ہیں: قربانی سے زیادہ کوئی دوسرا عمل نہیں والا یہ کہ رشتہ داری کا پاس کیا جائے۔ (طرانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ<sup>رض</sup> سے ارشاد فرمایا کہ: تم اپنی قربانی ذبح ہوتے وقت موجود ہو، کیونکہ پہلا قطرہ خون گرنے سے پہلے انسان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

قربانی کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں، اس لئے اہل اسلام سے درخواست ہے کہ اس عبادت کو ہرگز ترک نہ کریں جو اسلام کے شعائر میں سے ہے۔ اور اس سلسلہ میں جن شرائع و آداب کا ملاحظہ

رکھنا ضروری ہے، انہیں اپنے سامنے رکھیں اور قربانی کا جانور خوب دیکھ بھال کر خریدیں۔ قربانی سے متعلق مسائل آئندہ سطور میں درج کئے جائے ہیں:

### مسائل قربانی

مسئلہ نمبر: ۱۔۔۔ جس شخص پر صدقہ فطر واجب ہے، اُس پر قربانی بھی واجب ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۔۔۔ مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۳۔۔۔ قربانی کا وقت دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک ہے، بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہو جانے کے بعد درست نہیں۔ قربانی کا جانور دن کو ذبح کرنا افضل ہے اگرچہ رات کو بھی ذبح کر سکتے ہیں، لیکن افضل بقر عید کا دن، پھر گیارہویں اور پھر بارہویں تاریخ ہے۔

مسئلہ نمبر: ۴۔۔۔ شہر اور قصبوں میں رہنے والوں کے لئے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ لینے سے قبل قربانی کا جانور ذبح کرنا درست نہیں ہے۔ جب کہ دیہات اور گاؤں والے جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی صح صادق کے بعد فجر کی نماز سے پہلے بھی قربانی کا جانور ذبح کر سکتے ہیں، اگر شہری اپنا جانور قربانی کے لئے دیہات میں بھیج دے تو وہاں اس کی قربانی بھی نماز عید سے قبل درست ہے اور ذبح کرانے کے بعد اس کا گوشت منگلا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۵۔۔۔ اگر مسافر مالدار ہو اور کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت کرے، یا بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائے، یا کسی نادار آدمی کے پاس بارہویں تاریخ کو غروب شمس سے پہلے اتنا مال آجائے کہ صاحب نصاب ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں اس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

\*۔۔۔ نیز اگر مسافر مالدار ہو، دوران سفر قربانی کے لئے رقم بھی ہوا وہ پندرہ دن سے کم عرصہ کے لئے رہائش پذیر ہونے کے باوجود آسانی قربانی کر سکتا ہو تو قربانی کر لینا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۶۔۔۔ قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ اچھا ہے، اگر خود ذبح نہ کر سکتا ہو تو کسی اور سے بھی ذبح کر سکتا ہے۔

\*۔۔۔ بعض لوگ قصاب سے ذبح کرتے وقت خود بھی چھری پر ہاتھ رکھ لیا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ قصاب اور قربانی والے دونوں مستقل طور پر تکمیر پڑھیں، اگر دونوں میں سے ایک

نے نہ پڑھی تو قربانی صحیح نہ ہوگی۔ (شامی: ۶۲/۳۳)  
مسئلہ نمبر: ۷۔۔۔ قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت زبان سے نیت پڑھنا ضروری نہیں، دل میں بھی پڑھ سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۸۔۔۔ قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اس کو قبلہ رخ لٹائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:  
”إِنِّي وَجَبْتُ وَجْهَكَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشَرِّكِينَ، إِنْ صَلَاقِي وَنَسْكِي وَمَحْيَايِي وَمَمْتَقِي اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أَمْرَتُ وَأَنَا أُولُو الْمُسْلِمِينَ، اللَّهُمَّ مَنْكَ وَلَكَ“ اس کے بعد ”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ کہہ کر ذبح کرے۔ (کذافی سنن ابی داؤد)

ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

”اللَّهُمَّ تَقْبِلْهُ مِنِّي كَمَا تَقْبِلَتْ مِنْ حَبِيبِكَ مُحَمَّدٌ وَخَلِيلِكَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ۔“

مسئلہ نمبر: ۹۔۔۔ قربانی صرف اپنی طرف سے کرنا واجب ہے، اولاد کی طرف سے نہیں، اولاد چاہے بالغ ہو یا نابالغ، مالدار ہو یا غیر مالدار۔

مسئلہ نمبر: ۱۰۔۔۔ درج ذیل جانوروں کی قربانی ہو سکتی ہے: اونٹ، اونٹی، بکرا، بکری، بھیڑ، دُنبے، گائے، بُبیل، بھینس، بھینسا۔ بکرا، بکری، بھیڑ اور دُنبے کے علاوہ باقی جانوروں میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ کسی شریک کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو اور سب قربانی کی نیت سے شریک ہوں یا عقیقہ کی نیت سے، صرف گوشت کی نیت سے شریک نہ ہوں۔

۱۱۔۔۔ گائے، بھینس اور اونٹ وغیرہ میں سات سے کم افراد بھی شریک ہو سکتے ہیں اس طور پر کہ مثلاً چار آدمی ہوں تو تین افراد کے دو دو حصے اور ایک کا ایک حصہ ہو جائے۔ نیز اگر پورے جانور کو چار حصوں میں تقسیم کر لیں، یہ بھی درست ہے۔ یا یہ کہ دو آدمی موجود ہوں تو نصف نصف بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔

مسئلہ نمبر: ۱۲۔۔۔ اگر قربانی کا جانور اس نیت سے خریدا کہ بعد میں کوئی مل گیا تو شریک کرلوں گا اور بعد میں کسی اور کو قربانی یا عقیقہ کی نیت سے شریک کیا تو قربانی درست ہے اور اگر خریدتے وقت کسی اور کو شریک کرنے کی نیت نہ تھی، بلکہ پورا جانور اپنی طرف سے قربانی کرنے کی نیت سے خریدا تھا تو اب اگر شریک کرنے والا غریب ہے تو کسی اور کو شریک نہیں کر سکتا اور اگر مالدار ہے تو شریک کر سکتا ہے،

البته بہتر نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۱۳۔۔ قربانی کے جانور میں اگر کئی شرکا ہیں تو گوشت وزن کے تقسیم کریں۔

مسئلہ نمبر: ۱۴۔۔ بھیڑ، بکری جب ایک سال کی ہو جائے، گائے، بھینس دوسال کی اور اونٹ پانچ سال کا تو اس کی قربانی جائز ہے، اگر اس سے کم ہے تو جائز نہیں۔ ہاں! دنبہ اور بھیڑ (نہ کہ بکرا) اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۵۔۔ قربانی کا جانور اگر اندھا ہو، یا ایک آنکھ کی ایک تھائی یا اس سے زائد روشنی جاتی رہی ہو، یا ایک کان ایک تھائی یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہو، یا دم ایک تھائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

\*۔۔ گائے اور بھینس کے دو ٹھن یا بکری کا ایک تھن خشک ہو چکا ہو یا پیدائشی طور پر نہ ہوں تو ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۱۶۔۔ اسی طرح اگر جانور ایک پاؤں سے لگڑا ہے، یعنی تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھے پاؤں کا سہارا نہیں لیتا تو ایسے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں، ہاں! اگر وہ چوتھے پاؤں سے سہارا لیتا ہے، لیکن لگڑا کے چلتا ہے تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۷۔۔ قربانی کا جانور خوب موٹا تازہ ہونا چاہئے، اگر جانور اس قدر کمزور ہو کہ ڈیوں میں گودا بلکل نہ رہا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

\*۔۔ بعض لوگ موٹا تازہ جانور محض دکھلاؤے یا ریاونمود کے لئے خریدتے ہیں، ایسے لوگ قربانی کے ثواب سے محروم ہوتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ موٹا تازہ جانور تلاش کرتے ہوئے محض ثواب کی نیت کریں۔

مسئلہ نمبر: ۱۸۔۔ اگر کسی جانور کے تمام دانت گر گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور اگر اکثر دانت باقی ہوں کچھ گر گئے ہوں تو قربانی جائز ہے۔

\*۔۔ اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو اور دانت نہ نکلے ہوں تو بھی قربانی ہو سکتی ہے، تاہم اس سلسلہ میں صرف جانوروں کے عام سوداگروں کی بات معتبر نہیں ہے، بلکہ یقین سے معلوم ہونا ضروری ہے یا یہ کہ خود گھر میں پالا ہوا جانور ہو تو اس کی قربانی کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۹۔۔۔ جس جانور کے پیدائشی کا انہی نہ ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۰۔۔۔ اگر کسی جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ چکے ہوں اس طور پر کہ دماغ اس سے متاثر ہوا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں اور اگر معمولی ٹوٹے ہوں یا سرے سے سینگ ہی نہ ہوں جیسے اونٹ تو بلا کراہت جائز ہے۔\*۔۔۔ اسی طرح گائے، بکری وغیرہ کے اگر پیدائشی سینگ نہ ہوں تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۱۔۔۔ خارش زدہ جانور کی قربانی جائز ہے، البتہ اگر خارش کی وجہ سے بے حد کمزور ہو گیا ہو تو پھر جائز نہیں۔ مسئلہ نمبر: ۲۲۔۔۔ اگر قربانی کے جانور میں کوئی عیب پیدا ہوا جس کے ہوتے ہوئے قربانی درست نہ ہو تو مالدار شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ دوسرا جانور اس کے بد لے خرید کر قربانی کرے، غریب ہے تو اسی جانور کی قربانی کر سکتا ہے۔\*۔۔۔ اگر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لئے گراتے ہوئے کوئی عیب پیدا ہو جائے، مثلاً ناگ کی ہڈی ٹوٹ جائے یا سینگ وغیرہ ٹوٹ جائے تو اس سے قربانی پر اثر نہیں پڑے گا، البتہ جانور کو گراتے وقت احتیاط کرنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر: ۲۳۔۔۔ قربانی کے گوشت میں بہتر یہ ہے کہ تین حصے کرے، ایک حصہ اپنے لئے رکھے ایک حصہ اپنے رشتہ داروں کو دے اور ایک حصہ فقراء و مساکین کو دے، لیکن اگر سارے کا سارا اپنے لئے رکھتے بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۴۔۔۔ قربانی کی کھال کسی کو خیرات کے طور پر دے یا فروخت کر کے اس کی قیمت فقرہ کو دے، البتہ اگر کسی دینی تعلیم کے مدرسہ اور جامعہ کو دے دے تو سب سے بہتر ہے، کیونکہ علم دین کا احیا سب سے بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۵۔۔۔ قربانی کی کھال کو اپنے مصرف میں بھی لایا جاسکتا ہے اس طور پر کہ اس کا عین باقی رہے، مثلاً مصلی بنائے یا رسی یا چلنی بنائے تو درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۶۔۔۔ قربانی کی کھال کی قیمت مسجد کی مرمت یا امام و مؤذن یا مدرس یا خادم کی تجوہ میں نہیں دی جاسکتی، نہ اس سے مدرس کی تعمیر ہو سکتی ہے اور نہ شفاخانوں یا دیگر رفاهی اداروں کی۔

مسئلہ نمبر: ۲۷۔۔۔ قربانی کی کھال قصائی کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔

\*۔۔۔ اگر کسی کی قربانی کی کھال چوری ہو گئی یا چھن گئی تو اسے چاہئے کہ وہ کھال کی رقم صدقہ

کر دے، اگر استطاعت نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، قربانی پر فرق نہیں پڑے گا۔

مسئلہ نمبر: ۲۸۔۔۔ اگر قربانی کے تین دن گزر گئے اور قربانی نہیں کی تو اب ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کر دے، اور اگر جانور خریدا تھا مگر قربانی نہیں کی تو بعینہ وہی جانور خیرات کر دے۔  
مسئلہ نمبر: ۲۹۔۔۔ ایصال ثواب کے لئے قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۰۔۔۔ اگر کسی شخص کے حکم کے بغیر اس کی طرف سے قربانی کی تو قربانی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو اس کے حکم و اجازت کے بغیر قربانی میں شریک کیا تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی، اسی طرح اگر حصہ داروں میں سے کوئی ایک صرف گوشت کی نیت سے شریک ہے تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔  
مسئلہ نمبر: ۳۱۔۔۔ قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دے سکتا ہے، البتہ کسی کو اجرت میں نہیں دے سکتا۔  
مسئلہ نمبر: ۳۲۔۔۔ گابھن جانور کی قربانی صحیح ہے اگر بچہ زندہ نکلتے تو اسکو بھی ذبح کر دے۔ اور گوشت آپس میں تقسیم کرنے کی بجائے صدقہ کر دیا جائے۔

\*۔۔۔ قربانی کے جانور کے بال کاٹنا یا دودھ دوھنا درست نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اسے صدقہ کرے، اگر بچہ دیا تو اس کی رقم کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ (بدائع: ۵/۸۷)

مسئلہ نمبر: ۳۳۔۔۔ جو شخص قربانی کرنا چاہے اس کے لئے منتخب یہ ہے کہ کیم ذوالجہہ سے قربانی کا جانور ذبح ہونے تک نہ اپنے جسم کے بال کاٹے اور نہ ناخن۔ (ابوداؤد)  
\*۔۔۔ البتہ اگر زیر ناف اور بغل کے بالوں پر چالیس روز کا عرصہ گز رچا ہو تو ان بالوں کی صفائی کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۴۔۔۔ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ تک بھی رکھ سکتا ہے۔ (ابوداؤد)  
مسئلہ نمبر: ۳۵۔۔۔ جانور ذبح کرنے کے لئے چھری خوب تیز ہونی چاہئے تاکہ جانور کو تکلیف نہ ہو۔  
(ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۶۔۔۔ اگر کوئی شخص اپنی قربانی کا گوشت سارا کا سارا کسی اور کوکھلا دے خود کچھ بھی نہ کھائے تو ایسا کر سکتا ہے۔ (کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر: ۳۷۔۔۔ خصی جانور کی قربانی جائز، بلکہ افضل ہے، کیونکہ اس میں دوسرے کی بہ نسبت

گوشت زیادہ ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۸۔۔ ذبح کرتے وقت تکبیر کے علاوہ کچھ اور نہیں کہنا چاہئے، مثلاً: ”بِسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی مَنْ فَلَانَ؟“۔۔ (کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر: ۳۹۔۔ اگر کسی نے قربانی کی نذر مانی اور وہ کام ہو جائے تو قربانی واجب ہے، اس کے گوشت سے خون نہیں کھا سکتا، سارا فرقہ اور مساکین کو حلامدے۔

مسئلہ نمبر: ۴۰۔۔ اگر کسی شخص کی ساری یا اکثر آمدنی حرام کی ہو تو اس کو اپنے ساتھ قربانی میں شریک نہیں کرنا چاہئے۔ اگر شریک کیا تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔

ایسا شخص جس کی ساری کمائی حرام کی ہو، اس پر قربانی لازم نہیں کیونکہ اس کا سارا مال واجب التصدق (بالاعیت ثواب صدقہ کرنا ضروری) ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ حرام مال سے کسی کا صدقہ قبول نہیں فرماتے، بلکہ وہاں صرف پاکیزہ مال سے کیا ہوا صدقہ و خیرات قبول ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۴۱۔۔ بکری کے علاوہ دوسرے کسی جانور میں تمام شر کا اپنا اپنا حصہ تقسیم کئے بغیر نظر اکو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔

\*۔۔ البتہ اگر نذر کی قربانی ہو یا مرحوم کی وصیت کے تحت قربانی کر رہے ہیں تو پھر تقسیم سے پہلے کسی نظری کو دینا درست نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۴۲۔۔ کسی نے مرتبے وقت وصیت کی کہ میرے مال سے قربانی کی جائے تو اس قربانی کا سارا گوشت خیرات کرنا ضروری ہے، خود کچھ بھی نہ لکھائے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو قربانی کی روح اور حقیقت سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری یہ ظاہری قربانی حقیقی قربانی کے لئے پیش نہیں ہوا اور ہم اس ظاہری و مادی قربانی کی طرح اللہ کے حکم پر اپنی جان کی قربانی کے لئے بھی ہمیشہ تیار ہیں۔

وَاللّٰهُ الْمُوْفَّقُ وَالْمَعِينُ وَصَلَى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٌ وَآلُهُ وَصَحْبِهِ

أجمعين

• • •

از: مفتی محمد راشد سکوی

جامعہ فاروقیہ، کراچی

## اسلام کا نظامِ کفالتِ عامہ

اسلام کا نیرتا بابِ ایسی روشنی لے کر نبودار ہوا کہ ظلمت بھری دنیا کے گوشے گوشے کونوارانیت سے بھر دیا، صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اسلام نے اپنا لوہا منوالیا اور ہر میدان میں ایسا نظام پیش کیا کہ دنیا میں کا گھوارہ بن گئی، شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے نظر آنے لگے، امرا کو عزت ملی تو غریبوں کو سکون اور آسانش ملی، ہر فرد دوسرے کے غم کو اپنانغم اور دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھنے لگا، حتیٰ کہ پورا معاشرہ ایک جسروں واحد کا نظارہ پیش کرنے لگا، جس کے ایک حصے کی تکلیف کو محسوس کرنے والا صرف ایک عضو ہی نہیں ہوتا، بلکہ پورا جنم ہوتا ہے۔

اسلام کا نظامِ کفالت یا نظامِ تکافل بھی ایسا جامع نظام ہے جس میں بلا کسی تخصیص و امتیاز، معاشرے کے ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں اتنا سامانِ معاش ہر حال میں میسر ہو جائے، جس کے بغیر عام طور پر کوئی انسان نہ اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے، اور نہ ہی اپنے متعلقہ فرائض و حقوق سرانجام دے سکتا ہے، اس نظام کے تحت ملکی و قومی دولت کی گردش کا دائرة کار چند اغذیا اور بڑے مالدار لوگوں کے درمیان محدود نہ ہونے پائے کہ دوسرے ان کے رحم و کرم کے محتاج ہوں بلکہ اس صورت میں تو اور بھی خصوصیت کے ساتھ اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ معاشرے کے وہ افراد جو مسکین، محتاج اور نادر ہوں اور کسی طبعی عذر کی وجہ سے معذور ہوں، جس کی وجہ سے کوئی معاشی کام کرنے اور اپنے لیے خود روزی کمانے کے لائق نہ ہوں، یا

مناسب روزگار نہ ملنے کی وجہ سے حالت ایسی ہو گئی ہوتا یہ ضرورت مند افراد کی "معاشی کفالت" حکومت کی اولین ذمہ داریوں میں شامل ہے اور اسی طرح جو ان کے عزیز و قریب ہیں، ان کے ذمہ ان کی کفالت ہو گئی اور معاشرے کے دیگر جو مالدار لوگ ہیں وہ صدقات واجبه و ناقلہ اور عطیات سے ایسے افراد کی کفالت کا انتظام کریں گے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے:

اسلام افراد معاشرہ کے درمیان جس معاشی مساوات کو پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ نہیں کہ معاشرے کے تمام افراد کے درمیان مال و دولت یکساں اور برابر ہو، جتنی اور جیسی ایک فرد کے پاس ہوتی اور لوگی ہی تمام افراد کے پاس ہو، کیونکہ ایسی مساوات، خیالی دنیا میں تو ہو سکتی ہے، لیکن حقیقت کی دنیا میں نہیں ہو سکتی، اسلام جس مساوات کو چاہتا ہے، وہ یہ ہے کہ مال و دولت کی کمی بیشی کے ساتھ ساتھ افراد معاشرہ کے معیار زندگی اور مظاہرِ معيشت میں زیادہ سے زیادہ ہو، لہذا اسلام غنیٰ کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنا زائد اور اضافی مال را خدا میں خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور روحانی عظمت اور اخلاقی برتری حاصل کرے۔

اس کے بعد یہ جاننا بھی نہایت ضروری ہے کہ مغربی دنیا اور بعض جدید کی طرف مائل مسلم دانشور بھی یہ پروپیگنڈہ کرتے نظر آتے ہیں کہ "اسلام نے کوئی معاشی نظام نہیں دیا"، ان کا یہ کہنا انتہائی مضخلہ خیز معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ معيشت کا تعلق حصول رزق اور پیدائش دولت سے ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ کھانے پینے، پہنچنے، اوڑھنے اور رہنے سبھے کے لیے انتظام کیا جانا انسانی تاریخ کا اتنا قدیم عصر ہے، جتنی دنیا کی تاریخ، تو کیا ایسا ممکن ہے کہ اسلام آنے کے بعد ہزار سال تک (جو کہ دنیا میں اسلام کے عروج کا دور ہے) لوگ ضروریات زندگی سے محروم تھے؟

ہرگز نہیں! بلکہ حضراتِ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا مختصر دور تو ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے، کہ جو نظامِ حض ۲۳ / سال میں انہوں نے پوری دنیا میں متعارف کرا کے رانچ بھی کر دیا اور وہ ۳۲ / سال تک اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ قائم رہا، پھر غیروں کی سازشوں اور کوششوں سے اس نظام کے ختم ہونے تک ایک ہزار برس لگ گئے، یعنی جو فلسفہ معاش ساتویں صدی عیسوی میں انسانیت کے سامنے آیا اُس کے اثرات ستر ہویں صدی عیسوی تک بھی مٹائے نہ جاسکے، اور آج بیسویں صدی میں بھی دنیا کی ایک بہت بڑی آبادی اس نظام کو اپنائے ہوئے ہے، پھر اس نظام کو فرسودہ کیونکر کہا جا سکتا ہے؟

اسلامی نظامِ معاش و نظام کفالت کو برپا کرنے کے لیے برسہارس کی کوششیں ہوئیں، منصوبے بنے،

اُن پر عمل ہوا، اور ایک حد تک ان اسلام دشمن عناصر کو کمیابی بھی ہوئی، اُن منصوبوں میں سے ایک منصوبہ ”نظامِ انشورنس“ بھی ہے جو اسلام کے نظام کفالتِ عامہ کو ختم کرنے کے لیے وجود میں آیا، ایک نظر اس مغربی نظامِ انشورنس کے مقاصد پر ڈال لی جائے تاکہ اس کے مقابل اسلام کے نظام کفالت کی جامعیت اور افادیت پوری طرح واضح ہو جائے۔

نظامِ انشورنس سماجی اور معاشی تحفظ کا ضامن نہیں بن سکتا، کیوں کہ اس کا ذائقہ کارانتینائی محدود ہے، اگر تھوڑا بہت نظر آ رہا ہے تو محض ان ہی افراد کے لیے یہ نظام ہے، جو کمپنی کی پالیسی لیتے ہیں، یہ وہ افراد ہوتے ہیں جو عام طور پر سرمایہ دار ہی ہوتے ہیں، اس نظام میں ایسے طبقہ یا افراد کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے، جو ان کے پالیسی ہولڈرنہیں ہیں، جو معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں، ایسے افراد کو سہارا دینے کا، ان کا ساتھ دینے کا، ان کو چلانے کا، اگرے پڑے ہوؤں کو اٹھانے کا کوئی پروگرام یا کوئی حصہ نہیں ہے، جو معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں، اس نظام میں نہ بتیم بچوں کے سروں پر رکھنے کے لیے دستِ شفقت ہے (کیوں کہ ان کا باپ پالیسی ہولڈرنہیں تھا) اور اُس بیوہ کے لیے کھانے کے ایک لقمہ کا بھی انتظام نہیں ہے، جس کا مزدور خاوند بیہہ کمپنی میں اپنا یا اپنی اس بیوہ کا بیمه نہ کر سکا تھا، اس نظام میں اُن غربا اور مساکین کے لیے کوئی پالیسی یا انتظام نہیں ہے، جو مکان نہ ہونے کے باعث کھلے آسمان تلے زندگی بسر کر رہے ہیں یادن بھر مزدوری نہ ملنے کے سبب بھوکے سونے پر مجبور ہیں، ایسا کیوں؟ اس لیے کہ وہ بیہہ کمپنی کے ممبر نہیں ہیں، اُن کے پاس ان کی آقساط ادا کرنے کے لیے وسائل نہیں ہیں۔

مذکورہ تفصیل کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے، کہ ”نظامِ انشورنس“ جس پر آج مغرب فخر کر رہا ہے اور غریبوں کو اپنا محسن ہونا بتا رہا ہے، جس کے پُرفیب اور پُر کشش اشتہارات ”ہر فلک کو دور کیجیے“! اور ”غم کو اپنے قریب بھی نہ بھکننے دیجیے!“ کا سبق پڑھا رہے ہیں، دراصل یہ (نظام) مذہوم سرمایہ کاری کی کوکھ سے جنم لینے والا ایک نیا نظام استحصال، دولت کو اپنے پاس جمع کرتے رہنے کا جدید حلیہ اور عالمِ اسلام میں بیہودی کاروبار کو فروغ دینے والا ذہنی، فکری و عملی منصوبہ ہے، جس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ”امیر کے لیے سب کچھ اور ناداروں کے لیے کچھ نہیں“۔

اس کے عکس اسلام کے نظام کفالتِ عامہ کو پیچانے اور اس کی جامعیت اور کاملیت کا بڑی بیدار مغزی اور پوری بصیرت سے جائزہ لیجیے کہ لتنا دو دھن اور لتنا پانی ہے؟ جس کا مقصد اسلامی ریاست کے

تمول، صاحبِ ثروت افراد سے جائز اور شرعی طریقے سے لے کر اور غرباء و مساکین و معذورین سے کچھ بھی نہ لے کر مملکت و ریاست کے تمام باشندوں ( بلا تیز مسلم و کافر) کی ہر قسم کی سماجی، و معاشری حاجات و ضروریات کی کفالت، غیر متوقع پیش آمدہ حادثات کا تحفظ اور نقصانات کی تلافی کی ضمانت دینا ہے۔

یہ نظام (کفالت) اس معاشری نظام کا ایک حصہ ہے جس کا مقصد محض معاشری کفالت نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ امن و سلامتی کی ضمانت دینا ہے، اس (اسلامی نظام) کا رکن بننے کے لیے کوئی قطع اور کوئی فیض نہیں ادا کرنا پڑتی، بلکہ صرف احکامات الہیہ کے سامنے سرتسلیم ختم کرتے ہوئے اسلام کو بجیشت ضابط حیات تسلیم کرنا، امر اکا جائز شرعی واجبات (زکاۃ، صدقات واجبه، عشر وغیرہ) ادا کرنا اور پوری زندگی اللہ کا بندہ بن کر رہنا اور بصورت ذمی، اسلامی ریاست کا وفادار شہری بن کر رہنا اور معمولی جزیہ (بدل تحفظ) کا ادا کرنا ہے۔

اسلام جس قسم کا نظامِ کفالت پیش کرتا ہے، اس میں اولیت اس بات کو دی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کا کوئی شخص بینادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے، اس نظام میں امیر کوتیر غیب دے کر، اور آخرت کا خوف دلا کر یہ درس دیا جاتا ہے کہ وہ غریب اور محروم المعيشت تک اس کی ضروریات زندگی پہنچائے، جو شخص مفلس اور نادری حاجت روائی نہ کرے وہ کامل مسلمان ہی نہیں۔

### معاشری نظام سے متعلق قرآن پاک کا اسلوب

اسلام میں کمال حاصل کرنے کے لیے جن صفات کا ہونا ضروری ہے، ان میں سے ایک صفت غرباً کو کھانا کھلانے کی تلقین بھی ہے، ملاحظہ ہو:

”أَرْعَيْتَ الَّذِي يَكْذِبُ بِالدِّينِ، فَذِلِكَ الَّذِي يَذْهَبُ إِلَيْتِيمٍ، وَلَا يَحْضُ عَلَىٰ“

طعامِ المسکینین۔ (الماعون: ۱ تا ۳)

ترجمہ: ”کیا تو نے ایسے شخص کو دیکھا جو جزا اوزرا کا مکر ہے؟ وہی تو ہے جو پیغم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا۔“

دیکھیے! غریب کو خود کھانا کھلانے سے انکار تو دور کی بات ہے، یہاں تو اگر کوئی فرد کسی دوسرے متمول شخص کو کسی بھوکے کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا تب بھی اسے صحیح اور کامل دین دار قرار نہیں دیا جا رہا۔

ایک اور جگہ تو بہت سخت لمحے میں فرمایا گیا:

”خُذُوهُ فَغَلُوْهُ، ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُوْهُ، ثُمَّ فِي سِلْسِلَةِ ذِرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا  
فَأَسْلُكُوهُ، إِنَّهُ كَانَ لَا يَؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيْمِ، وَلَا يَحْضُّ عَلَى طَعَامٍ۔“ (الحاقۃ: ۳۰)

(۳۲)

ترجمہ: اسے پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو، پھر اسے جہنم میں داخل کرو پھر اسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو، یقیناً یہ وہی ہے جو خدا نے بزرگ و برتر پر ایمان نہیں لایا تھا، اور نہ ہی محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔

ایک اور جگہ ایمان والوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

”وَيَطْعَمُوْنَ الطَّعَامَ عَلَى حُتَّبِهِ مَسْكِيْنًا وَيَتِيْمًا وَأَسْيَرًا۔“ (الدھر: ۸)

ترجمہ: ”اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں (اپنا) کھانا مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں۔“

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

”فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌ مَعْلُومٌ، لِلسَّائِلِيْنَ وَالْمَحْرُومِ۔“ (المعارج: ۲۳، ۲۵)

ترجمہ: ”ان کے اموال میں ایک مقررہ حصہ ہے، مانگنے والوں کا اور ہمارے ہوئے کا۔“  
مذکورہ آیات میں امراء کے لیے ایک راہ عمل متعین کر دی گئی، اور پھر دوسرے طرز پر مقصد یہ بتایا گیا

کہ:

”كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ۔“ (الحشر: ۷)

ترجمہ: ”تاکہ وہ (دولت) تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتی رہے۔“

آیت کریمہ میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشری پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ مال صرف مالداروں میں ہی گھومتا رہے، یا امیر ایک روز امیر تراو غریب دن بدن غریب تر ہوتے چلے جائیں، اس مقصد کے لیے سود حرام کیا گیا، زکوٰۃ فرض کی گئی، مال غنیمت میں چھم مقرر کیا گیا، صدقات کی ترغیب دی گئی، مختلف قسم کے کفارات کی ایسی صورت تجویز کی گئی جن سے غریب افراد کی خاطر خواہ دلداری اور حاجت براري ہو سکے، میراث کا ایسا قانون بنایا گیا کہ ہر مرنے والے کی چھوٹی ہوئی دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائرے میں

پھیل جائے، اخلاقی حیثیت سے بخل کو سخت قابل مذمت اور سخاوت و فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا، الغرض وہ تمام انتظامات کیے گئے کہ دولت پر با اثر لوگوں کی اجارہ داری قائم نہ ہو اور دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف بھی ہو جائے۔

### احادیث مبارکہ کا معاشی نظام سے متعلق اسلوب

سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے کہ یہ افراد معاشرہ سے سخاوت کو بالکل یہی ختم کر دیتا ہے، چنانچہ اس نظام کی کسی بھی کتاب کو اٹھا کے دیکھ لیا جائے کہ اس میں سخاوت و فیاضی کا کوئی ایک بھی عنوان ڈھونڈنے سے نہ مل سکے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نظام کا خیر ہی بخل اور امساک سے اٹھایا گیا ہے، جب کہ سخاوت و فیاضی کریمانہ اخلاق کے وہ حصے ہیں جو اللہ رب العزت کی راہ میں خرچ کرنے سے فقراء و مساکین کی محبت، دنیاداری کی تھارت جیسی عمدہ روحانی غذا پاتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخاوت و فیاضی کے اوصاف حمیدہ کے ذریعے اپنے مال و دولت میں امت کے غریب و بے کس کو بھی شامل فرمایا اور اس طرح گردشِ دولت کی راہیں کشاہد کر دیں اور بخل و ارتکازِ دولت کی عاداتِ رذیلہ کے مضر اڑات کو ختم فرمایا، اور اس خصلتِ حمیدہ میں امت کو بھی اپنے ساتھ شامل فرمایا، جا بجا ان کی ذہن سازی کی، کبھی ترغیب کے ذریعے اور کبھی ترہیب کے ذریعے، لیکن ان سب سے بڑھ کر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا پاکیزہ عمل نمونہ تھا، جس کی ادنیٰ سی جھلک پہلی بار نازل ہونے والی وحی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہونے والی گھبراہٹ کو دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ کو تسلی دینے ہوئے آپ کی اعلیٰ صفات شمار کروانا ہے، ملاحظہ ہو:

**”فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ: كَلَّا وَاللهُ مَا يُخْزِيَكَ اللَّهُ أَبْدَأَ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحْمَمَ تَحْمَلُ**

**الكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَغْدُومَ وَتُقْرِي الصَّيْفَ وَتَعْيَنُ عَلَى تَوَائِبِ الْحَقِّ“** (صحیح

البخاری، کتاب بدء الوضیع، رقم الحدیث: ۳، ۷/۱، دار طوق النجاة)

ترجمہ: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ کو دیکھ کر) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوائیں کریں گے، آپ تو رشتتوں کو جوڑنے والے ہیں، آپ تو کمزوروں، بے کسوں کا سہارا بنتے ہیں، جن کا کوئی کمانے والا نہیں آپ ان کو کما کر کھلاتے ہیں، ناتوانوں کے بوجھ اٹھاتے

ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔“  
یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ عالیہ کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے، ورنہ تو پوری حیاتِ طیبہ یہی اُسوہ  
پیش کرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”أَيْمَا أَهْلِ عَرَصَةٍ أَضْبَحَ فِيهِمْ أَمْرًا جَائِعًا فَقَدْ بَرِئَتُ مِنْهُمْ ذِمَّةُ اللَّهِ۔“

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب البيوع، رقم الحدیث: ۲۱۶۵)

(۲/۱۲، دارالكتب العلمية)

ترجمہ: ”کسی بھی بستی میں کوئی شخص اس حال میں صحیح کرے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا ہو، تو اللہ رب  
العزت کا ذمہ اس بستی سے بری ہے۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غرباء کی امداد کی اس قدر ترغیب دی کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ  
ہمارے پاس جوز انکداموں ہیں ان میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے، ملاحظہ ہو:

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ“ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے  
ہمراہ ایک سفر میں تھے کہ ایک شخص آیا اور داسیں باسیں دیکھنے لگا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا  
کہ جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اُسے دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو، اور جس کے پاس ضرورت  
سے زائد زاد را ہوتا ہو (اُس تو شے کو) اُسے دے دے جس کے پاس زاد را نہ ہو، حضرت ابوسعید خدری  
رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف انواع کے اموال (اسی طرح اوروں کو دے دینے)  
کا ذکر فرماتے رہے کہ ہم (میں سے ہر ایک) نے گمان کر لیا تھا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے ضرورت سے  
زاندگی پر کوئی حق نہیں۔“ (ریاض الصالحین)

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ”جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے آدمی کو اپنا  
مہمان بنالے، اور اگر چار (آدمیوں) کا کھانا ہو تو پانچوں یا چھٹے کو (اپنا مہمان بنالے)۔“ (صحیح بخاری)  
ایک اور روایت میں ہے کہ:

ترجمہ: ”دو افراد کا کھانا تین افراد کو کفایت کر جائے گا اور تین کا کھانا چار کو کفایت کر جائے گا۔“

کفالت کے اس سلسلے کو مزیدوضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنائے کہ ایک فرد کا کھانا دو کے لیے کافی ہو جائے گا، دو کا کھانا چار افراد کے لیے کافی ہو جائے گا، اور اسی طرح چار افراد کا کھانا آٹھ افراد کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔“ (صحیح مسلم)

یہ ہیں وہ تعلیمات جو اسلام کی جامعیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر یہ امت وحدتِ امت کا نمونہ پیش کر سکتی ہے، یہ تصور امت کے اندر سے منافرت کی بوتک مٹا دیتا ہے، اور امت مسلمہ کو یک جان کر دیتا ہے، اس کی بہت ہی دلکش تعبیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے:

ترجمہ: ”مؤمنین کی مثال ان کے آپس میں محبت و شفقت، انس و مودت اور لطف و کرم میں ایک جم کی مانند ہے، جس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے۔“ اس سے اندازہ کر لینا چاہیے کہ کیا مغرب کا پیش کردہ ”نظامِ انشورنس“، اسلام کے ”نظامِ کفالتِ عامہ“ کے برابر ہو سکتا ہے؟ (صحیح مسلم)

اس کے علاوہ اور بہت سی روایات و آثار اس بارے میں منقول ہیں، مثلاً:

ترجمہ: ”حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق یہ روایت درجہ صحبت کو پہنچتی ہے کہ (ایک مرتبہ) ان کا سامان خورد و نوش ختم ہونے کے قریب آگا تو حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جس کے پاس جس قدر ہے، وہ حاضر کرے اور پھر سب کو سیکھا کیا اور ان سب میں برابر تقسیم کر کے سب کو ”وقتِ لا یوت“ کا سامان مہیا کر دیا۔“

غور کریں اس حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعری قبلہ والوں کی اس وجہ سے تعریف کی کہ جب کبھی سفر حضرت میں ان کے ہاں غلہ کی کمی ہو جاتی تو وہ اپنا غلہ ایک کپڑے میں جمع کر دیتے اور پھر برابر تقسیم کر لیتے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں خوش ہو کر فرمایا: ”وہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔“ (ریاض الصالحین)

”احملی بالآثار“ میں علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ ”اس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا، بیگنا یا ضروریات زندگی سے محروم ہے تو مالدار کے خاص مال میں سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے۔“ (احملی بالآثار، کتاب الزکاۃ: ۲۸۳، دارالکتب العلمیة)

”اسلام کا اقتصادی نظام“ میں حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوطہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تمام ائمہ

مجتهدین کا بھی یہی مسلک ہے (اسلام کا اقتصادی نظام، ص: ۲۶، ندوۃ المصطفیٰ) خلاصہ کلام! اسلام اپنی تعلیمات کے ذریعے تعاون و تکافل کا وہ اعلیٰ ترین معیار قائم کرتا ہے، جس کی بلندیوں تک آج مذموم سرمایہ دار اور لا دین اشتراکی ذہن رکھنے والے کا تخلی، پرواز ہی نہیں کر سکتا۔ اسلام معاشی کمزوریاں دور کرنے کے لیے اجتماعی کفالتِ عامہ کا جو تصور پیش کرتا ہے اُسے صرف وعظ و تلقین ہی تک نہیں چھوڑا، اور نہ ہی اسے صرف انفرادی اور اجتماعی وجدان کے حم و کرم کے پردازیا ہے، بلکہ اسلامی ریاست کے امیر المؤمنین کو ذمہ دار بنایا ہے، کہ وہ اس نظام کو عملی جامہ پہنانے اور اس کے احیاء میں آنے والی ہر کاٹ دو رکرے۔

### اسلامی نظام تکافل کی حدود اور طریقہ کار

مندرجہ بالاسطور میں یہ بات تفصیل سے گذر پچلی ہے کہ کفالتِ عامہ بنیادی طور پر اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے، اس کے تحت اب جائزہ اس بات کا لینا ہے کہ یہ نظام، ریاست میں بننے والے صرف مسلمانوں کے لیے ہو گا یا غیر مسلم بھی اس نظام سے مستفید ہو سکیں گے اور پھر اس نظام کے تحت کس قسم کی ضروریات پوری کی جائیں؟ ہر انسان کے ساتھ کچھ ضروریات ایسی ہوتی ہیں، جو انسانیت کی فلاح و بہبود سے متعلق ہوتی ہیں، مثلاً تعلیم، صحت، تزویج، نومولود بچوں کے وظائف، معذور افراد کی دیکھ بھال، مقرضوں کے قرضوں کی ادائیگی وغیرہ۔

اس کے بعد یہ جانا بھی ضروری ہے، نظام کفالت کا سارا بوجھ سرکاری ریاست کے ہی ذمے ہے یا معاشرے کے افراد بھی اس میں شامل ہیں، چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ افراد امت کے ذمہ بھی کچھ مختلف نوعیت کی ذمہ داریاں لاحق ہوتی ہیں، جن میں کچھ قانونی اور کچھ اخلاقی ذمہ داریاں ہیں، قانونی ذمہ داریوں کو ”صدقات واجبه“ (مثلاً: زکوٰۃ، عشر، صدقۃ فطر، کفارات، اور نذر وغیرہ) اور اخلاقی ذمہ داریوں کو ”انفاق“ (مثلاً: صدقات نافلہ، قرض حسنہ، ہبہ، عاریت، وصیت، امانت، اوقاف، میراث، اور نفقات وغیرہ) سے تعییر کیا جاسکتا ہے۔

پھر اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہی سرکاری ادارے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے مصارف کہاں سے اور کیسے لا سکیں گے؟ اس کے لیے کون کون سے ذرائع اختیار کیے جائیں گے؟ تو یہ

مصارف اور ذرائع آمدی اسلام میں معین ہیں، مثلاً: زکوٰۃ، خمس، معین شراط کے ساتھ جائز ٹکیس، اموال فاضلہ، خراج، منافع تجارت وغیرہ۔

خلاصہ کلام! اگر مندرجہ بالашعبوں کا احیاء ہو جائے اور یہ مصروف عمل ہو جائیں تو ممکن ہی نہیں کہ ملک میں دولت کے ذخیر پر محض چند اور مخصوص افراد قابض ہوں، اور گردشِ دولت کا بہاؤ صرف اور صرف سرمایہ کاروں کی طرف ہی ہو، اور اس کے برعکس دوسری طرف غریب طبقہ ظلم کی پچکی میں پس رہا ہو، اور بھوک پیاس کی حالت میں ایک ایک لقمه کا محتاج ہو۔

اگر اسلام کا یہ نظامِ کفالت وجود میں ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں غیروں کے بنائے ہوئے نظامِ انشورنس وغیرہ کا سہارا لینا پڑے اور اپنے دین و مذہب کا خون کرنا پڑے، البتہ اس کے لیے انتحک محنت کرنا ہوگی، کہ جس طرح آج سے چودہ سو سال قبل یہ نظامِ کامل پوری طرح چمکتا ہوا، انسان کو انسان اور جہالت و نفسانیت میں ڈوبے معاشرے کو ایک صالح اور پر امن معاشرے میں ڈھال چکا تھا، جس کی حقانیت کا اعتراف اپنے تو اپنے، غیر بھی کرنے پر مجبور ہو گئے، اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی ایسی ایسی مثالیں قائم ہوئیں کہ آج تک مغرب معاشرہ اس کی کوئی نظیر پیش نہ کر سکا، تو کوئی وجہ نہیں کہ کوئی نظام اس وقت ”جب کوئی ظاہری ٹھاٹ باٹ نہ تھے“ اپنا اثر قائم کر سکتا ہوا اور آج کے دور میں بے اثر ہو!! اگر معاشرے کے چند بآثر افادل کر ہمت و کوشش کر لیں اور اپنے فاضل اموال کو مدد کوہہ بالامدادات میں خرچ کر لیں اور پھر ان کی دیکھا دیکھی کچھ اور، اور پھر کچھ اور، حتیٰ کہ ہر طرف ایک عام فضابن جائے تو یقیناً مقصود حاصل ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

### اسلام کا نظامِ کفالت کن کن افراد کے لیے مفید ہوگا؟

اسلامی ریاست میں یعنی والے چوکہ صرف مسلمان ہی نہیں ہوتے، بلکہ غیر مسلم بھی ہوتے ہیں تو ریاست میں مقیم ہر مسلم وغیر مسلم کی کفالت اس نظام کا حصہ ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں جب ”حیرہ“ فتح ہوا تو اس موقع پر ایک معاہدہ لکھا گیا جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لیے کفالتِ عامہ کا ذکر ہے، ملاحظہ ہو:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ”میں طے کرتا ہوں کہ اگر ذمیوں میں سے کوئی ضعیف

ہو، کام نہ کر سکتا ہو، یا آسمانی یا زمینی آفات میں سے کوئی آفت اس پر آپڑے، یا ان کا کوئی مالدار محتاج ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اس کو خیرات دینے لگیں، تو ایسے تمام افراد کا جزیہ معاف ہے، اور بیت المال سے ان کی اور ان کے اہل خانہ کی کفالت کی جائے گی، جب تک وہ دارالجہرۃ اور دارالاسلام میں اقامت پذیر ہوں۔“

اسی تناظر میں دور فاروقی کا بھی ایک واقعہ ملاحظہ کر لیا جائے جسے امام ابو یوسفؓ نے اپنی کتاب الخراج میں نقل کیا ہے:

”اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ناپینا بوڑھے شخص کو بھیک مانگتے دیکھا، اس سے پوچھنے پر بتا چلا کہ وہ یہودی ہے، بھیک مانگنے کا سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ جزیہ کی ادا نیگی، معاشری ضروریات اور پیرانہ سالی نے (بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا) یعنی کہ آپ رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے، جو موجود تھا وہ دیا، اور پھر بیت المال کے خزانچی کے پاس فرمان بھیجا کہ یہ اور اس جیسے دوسرے حاجت مندوں کی تقاضش کرو، اللہ کی قسم! ہم اس کے ساتھ ہرگز انصاف نہیں کر سکتے کہ اس کی جوانی کی محنت (ابصورت جزیہ) تو کھانیں مگر اس کے بڑھاپے میں اسے بھیک مانگنے کے لیے چھوڑ دیں، قرآن پاک میں ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفَقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ﴾ اور میرے نزدیک یہاں ”فقراء“ سے مراد مسلمان مفلس ہیں (اور ”مساکین“ سے مراد اہل کتاب کے مساکین و فقراء ہیں) اور یہ سائل مساکین اہل کتاب میں سے ہے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جزیہ معاف کر دیا۔“  
(کتاب الخراج)

مذکورہ بالا اور اس جیسی اور بہت سی نظائر سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا نظام کفالت بلا تمیز مسلم و کافر سب کے لیے ہے، یہ ایسا ابر رحمت ہے جو باغ اور کوڑے کر کٹ، ہر جگہ برستا ہے۔

کن ضروریات کو پورا کیا جائے گا؟

انسان کی ضروریات دو قسم کی ہیں: اول وہ ضروریات جن پر انسان کی زندگی کا دار و مدار ہے، اور دوسری وہ ضروریات جو حیاتِ انسانی میں نکھار کا سبب بنتی ہیں:

## پہلی قسم کی ضروریات

ضروریات کی اس قسم میں بنیادی طور پر خوراک، لباس، جائے سکونت، اور ابتدائی و ضروری طبی امداد شامل ہے، اسلامی حکومت تمام مذکورہ ضروریات کو پورا کرے گی، مولا نا حفظ الرحمن سیوہاروئی لکھتے ہیں کہ: ”اسلامی حکومت کے سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر فرد خواہ وہ امیر ہو یا فقیر، مرد ہو یا عورت کو اس کی استعداد اور حالت کے مطابق ان تین بنیادی ضروریات کے حصول کے لیے ہر قسم کی سہولیات پہنچائے، وہ تین چیزیں یہ ہیں:

(۱) کھانے پینے کی سہولت، کیوں کہ یہ ہر فرد کی زندگی کا ذریعہ ہے، اور اس کے بغیر زندگی کا تصور ہی نہیں۔

(۲) لباس کی ضرورت، خواہ وہ روئی کا ہو یا کتنا (قیمتی کپڑا) یا اون کا۔

(۳) ازدواجی زندگی کی سہولت، کیوں کہ یہ انسانی نسل کی بقاء کے لیے ضروری ہے۔“ (اسلام کا

اقتصادی نظام، ص: ۱۵۳، ندوۃ المصطفیین)

## دوسرا قسم کی ضروریات

اس قسم میں وہ ضروریات شامل ہیں، جو انسان کو اخلاقی اعتبار سے اور معاشرتی اعتبار سے مضبوط کرتی ہیں، ان میں تعلیم و تربیت، صحت و دیگر مصالح، غیر شادی شدہ اور شادی شدہ افراد کی کفالت، مقرضوں کے قرضوں کی ادائیگی، مولود بچوں کے وظائف، اپانی و ناکارہ افراد کی کفالت، سرایوں کی تعمیر، خواتین اسلام کی کفالت وغیرہ وغیرہ۔ (ان تمام صورتوں کے تفصیلی احکامات کتاب الاموال لابی عبید، کتاب الخراج الحجی بن آدم القرشی، سیرۃ عمر بن عبد العزیز لا بن عبد الحکیم، سیرۃ عمر بن عبد العزیز لا بن جوزی، سیرۃ عمر بن الخطاب لا بن جوزی، تاریخ اخلفاء للسیوطی، الطبقات الکبریٰ لا بن سعد میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں)

## کفالت کس حد تک کی جائے گی؟

اسلام کے نظام کفالت عامہ کی حدود کیا ہیں؟ تو جاننا چاہیے کہ جوں اسلامی ریاست وسیع ہوتی جائے گی اور وسائل بڑھتے جائیں گے، اسی طرح کفالت کا دائرة وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا، چنانچہ اسلام

کا نظامِ تکافل و کفالتِ عامہ کی وسعت، جامعیت، کاملیت وحدو دکا اندازہ لگانے کے لیے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ جنہیں خلیفہ راشد تسلیم کیا گیا ہے کا نمونہ ہمارے سامنے ہے کہ:

”حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اپنے گورنر کے نام لکھا کہ وہ لوگوں کے عطا یا ان کو ادا کرے، گورنر نے جواب لکھا کہ میں نے عوام کے عطا یا انھیں ادا کر دیئے ہیں، مگر بیت المال کی رقم پنج پڑی ہے (اس کا کیا کروں؟) تو آپؐ نے لکھا کہ ایسے مقرضوں کو تلاش کرو جنہوں نے کسی بغیر نادانی کے کاموں کے، یا بغیر فضول خرچی کے قرض لیا ہو، ان کا قرض ادا کر دو، گورنر نے لکھا کہ میں نے ایسے تمام (مقرضوں) کے قرضے ادا کر دیے ہیں، پھر بھی مسلمانوں کے بیت المال میں رقم پنج گئی ہے، آپؐ نے لکھا کہ ہر ایسے کنوارے کو تلاش کرو جس کے پاس مال نہ ہو، مگر وہ شادی کرنا چاہتا ہو، اس کی شادی کرو، اور اس کا مہر ادا کرو، گورنر نے لکھا کہ میں نے جس کسی کو ایسا پایا، اس کا نکاح کرادیا ہے، مگر پھر بھی بیت المال میں رقم باقی ہے، آپؐ نے لکھا کہ ہر ایسے ذمی (شخص) کو تلاش کرو جس پر جزیہ ہو، اور (مفلسی کے باعث) اپنی زمین آباد کرنے سے عاجز ہو، اسے قرضہ دو تا کہ وہ اپنی زمین (کی آباد کاری) کا کام کرنے کے قابل ہو جائے، کیوں کہ ہم ان (زمیوں) کو صرف ایک سال یا دو سال کے لیے ہی نہیں رکھنا چاہتے (بلکہ ان سے حسن و سلوک کا طویل رشتہ چاہتے ہیں)۔“

اس روایت سے خوب اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام کا نظامِ کفالتِ عامہ کتنا جامع اور وسیع ہے کہ وسائل کی دستیابی کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور پھیلتا جاتا ہے، اور پھر رعایا کی ضروریات کی تکمیل کا اندازہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، فرمایا:

”أَمَا وَاللَّهُ أَلَيْنَ يَقِيْثُ لِأَرَامِلِ أَبْلِ الْعَرَاقِ لَأَدْعُنَنِ لَا يَنْقُنَنَ إِلَى أَمِيرِ بَعْدِي“۔ (کتاب الخراج لیحیی بن

آدم القرشی، باب الرفق بآبل الجزية، رقم الحدیث: ۲۴۰، ص: ۷۳، المکتبۃ العلمیۃ)

فرمایا: ”اللہ (جل شانہ) کی قسم! اگر میں اہل عراق کی بیواؤں کے لیے (اگلے سال تک) زندہ رہ سکا، تو انھیں ایسا (غنی) کر دوں گا کہ وہ میرے بعد کسی امیر کی اعانت کی محتاج نہ رہیں گی۔“ اور پھر ان خواہشات کی تکمیل حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے دورِ خلافت میں ہوئی جس کی طرف ان کے ایک

گورنریجی بن سعید نے اشارہ کیا ہے، ملاحظہ ہو: (سیرۃ عمر بن عبد العزیز)

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ”مجھے امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے افریقہ میں صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا، میں نے صدقات وصول کیے اور ایسے لوگوں کی تلاش کی جنھیں صدقات دے سکوں، مگر ایسا شخص نہ ملا جو صدقہ قبول کرے، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اہل عراق کو (اتنا) غنی کر دیا تھا (کہ انھیں صدقہ قبول کرنے کی حاجت ہی نہیں رہی تھی) بالآخر میں نے اس صدقہ سے غلاموں کو خرید کے آزاد کیا۔“

یہ انتہاء ہے اسلام کے نظامِ کفالتِ عامہ کی، اس حقیقت سے نظریں چڑا کر مغرب کے قائم کردہ نظاموں کو قائم کرنا، ان کو روانج دینا باخصوص ”نظام انسورنس“ کو اسلام کے اس کامل نظام کے مقابل کھڑا کرنا خلیم نہیں تو اور کیا ہے؟ انسان کا بنایا ہوا نظام شاید قانون ساز کی تحری کو تو بھر سکتا ہو، لیکن ہر ہر انسان کے لیے وہ مفید و معاون ہو، ایسا ہونا محال ہے، اس عالمی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قانون الہی ہی کا رکر دناثابت ہو سکتا ہے، کوئی اور نہیں۔

نظام انسورنس کی خامیاں جو شرعاً سے ناجائز قرار دیتی ہیں ان کی تفصیلات موجودہ دور کے تمام اکابر نے ذکر کی ہیں، جو اس یہودی ذہنیت کے قائم کردہ نظام کے ہوکھلے پن کو پوری طرح واضح کر دیتی ہیں، ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی: ۳/۱۰، امداد الاحکام: ۳/۴۹۰، کفایت المفتی: ۸/۸۲، احسن الفتاوی: ۷/۲۳، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (امداد المفتین): ۲/۷۰، نظام الفتاوی: ۱/۱۸۳، ۲۸۶/۲، فتاویٰ محمودیہ ”مطبوع جامعہ فاروقیہ“: ۱/۱۶، فتاویٰ حقانیہ: ۲/۲۱۹، فتاویٰ بیانات: ۳/۱۳۶، کتاب الفتاوی از مفتی گل حسن صاحب: ۷/۱۲، کتاب الفتاوی از مولانا سیف اللہ خالد رحمانی صاحب: ۵/۳۵۸، جدید فقہی مسائل: ۱/۲۶۰، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۲۵۵، جدید معاملات کے شرعی احکامات: ۱/۱۷۱، جدید مسائل کا شرعی حل، ص: ۱۰۶، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص: ۳۷۱، اور بیہمہ زندگی از مفتی ولی حسن ٹوکی و مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی۔



مفہی سردار محمد اشرفی

## اسلامی معاشرے میں قوانین کی پابندی

کسی بھی ملک کی ترقی اور تنفسی کا راز اس کے قوانین کی پابندی میں مضمرا ہوتا ہے۔ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان ہمارا پیارا وطن ہے اور الحمد للہ! ہم مسلمان ہیں، ہمارا مذہب اسلام ہے، اسلام اللہ جل جلالہ کا بنایا ہوا نظام زندگی ہے جس کی پابندی ہم پر فرض ہے۔ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”وَلَا تُنْعَذُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ“۔۔۔ یعنی ”اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے والے مت ہو۔“

لفظ ”اسلام“ میں سلامتی کا درس ہے اور پھر مذہب اسلام پر چلنے والا مسلمان کہلاتا ہے تو لفظ ”مسلمان“ میں بھی سلامتی کا درس ہے اور جب دو مسلمان آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو ”السلام علیکم“، کہتے ہیں، چنانچہ روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ اسلام امن و سکون اور سلامتی کا مذہب ہے۔ مذہب کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر معاشرے، ہر قوم اور ہر ملک کے کچھ قوانین اور ضوابط ہوتے ہیں، پر امن اور پر سکون زندگی گزارنے کے لیے ان کی پابندی از حد ضروری ہوتی ہے۔

یہ ایک ثابت پہلو ہے اور منفی پہلو یہ ہے کہ قانون توڑنے اور اصول و ضوابط کا احترام نہ کرنے سے افراتغیری پھیل جاتی ہے، جن کی بنابرہ صرف افراد کا سکون تھہ و بالا ہو جاتا ہے، بلکہ پورے معاشرے اور قوم کی زندگی متأثر ہو جاتی ہے، اس لیے مذہب اسلام نے مسلمانوں کو قانون کا احترام اور پابندی کرنے کی تاکید کی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسلامی معاشرے میں قانون کا کس قدر احترام کیا جاتا تھا، اس

کی نہایت عمدہ مثال شراب کی حرمت کے سلسلے میں دیکھنے میں آئی ہے، جوں ہی شراب کی حرمت کا اعلان کرایا گیا، اسی وقت لوگوں نے شراب کے تمام برتن توڑ دیئے اور شراب مدینے کی گلیوں میں بہہ نکلی اور اسلامی معاشرہ شراب کی لعنت سے پاک ہو گیا اور یہی اللہ جل جلالہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اصل روح اور اسلام کا حقیقی مفہوم ہے، کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطْبِعُوا اللَّهَ وَأَطْبِعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ“

(محمد: ۳۳)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔“

چنانچہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے اصول و احکام اور اس کی روشنی میں بنائے ہوئے تمام قوانین و ضوابط کی پوری پابندی اور کامل احترام کرے، اسی طرح ہم ایک اچھے شہری، اچھے پاکستانی اور سچے مسلمان بن سکتے ہیں، جس طرح قدرت کا نظام چند ضروری قوانین کا پابند ہے، اسی طرح معاشرے کا قیام و دوام، معاشرتی، اخلاقی اور دینی احکام و قوانین پر موقوف ہے۔

یوں تو دنیا کا کم عقل سے کم عقل انسان بھی قانون کی ضرورت، اس کی پابندی اور اہمیت کا اعتراف کرے گا، لیکن کم لوگ ایسے ہیں جو عملاً قانون کے تقاضے پورے کرتے ہوں، عصر حاضر میں دو افراد کے باہمی معاملات سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک لوگ ضوابط اور قوانین کی پابندی سے گریزal ہیں اور لا قانونیت کے اس رجحان نے دنیا کا امن و سکون غارت کر دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان قانون کی افادیت کا قائل ہونے کے باوجود اس کی خلاف ورزی کیوں کرتا ہے؟ اس کی چند وجہوں ہیں:

۱:- اسلامی تعلیمات سے روگردانی۔      ۲:- خود غرضی اور مفاد پرستی۔

۳:- اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنا۔      ۴:- حب الوطنی سے بے توجہی۔

۵:- امن و سلامتی کی نادری۔

چنانچہ اسلام ان سب وجوہ کا خوبی سے تدارک کر کے مسلمانوں کو قانون کا پابند بناتا ہے، باہم وچ ایک طرف وہ انہیں خدا پرستی اور ایثار و سخاوت اور اکرام مسلم کا درس دیتا ہے تو دوسری طرف ان میں آخرت کی جواب دہی کا احساس و شعور پیدا کرتا ہے اور انہیں احساس دلانا چاہتا ہے کہ اگر وہ اپنے اثر ورسو خ یاد ہو کے فریب سے دنیا میں قانون کی خلاف ورزی کی سزا سے بچ بھی گئے تو آخرت میں انہیں خدا

کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

آخرت میں جواب دہی کا یہی احساس اسلامی معاشرے کے گناہ میں ملوث ہوجانے والے افراد کو اخذ خود عدالت میں جانے پر مجبور کرتا ہے اور وہ اصرار کرتے ہیں کہ انہیں دنیا ہی میں سزا دے کر پاک کر دیا جائے، تاکہ وہ آخرت کی سزا سے بچ جائیں۔ لوگوں کے دلوں میں قانون کے احترام کا سچا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خود حکمران طبقہ بھی قانون کی پاسبانی کرے اور اپنے اثر و سوخ کو قانون کی زد سے بچنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ آج دنیا کا شاید ہی کوئی دستور یا آئین ایسا ہو جس میں حکمران طبقہ کو مخصوص مراعات مہیا نہ ہوئی ہوں اور قانون میں آقا و غلام، شاہ اور گلدار کا کوئی امتیاز نہ ہو۔

اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی زرہ گم ہوئی اور ایک یہودی کے پاس ملی، خود خلیفہ وقت ہونے کے باوجود آپؐ اسے قاضی کی عدالت میں لے گئے، چنانچہ جب قاضی نے آپؐ سے گواہوں کا مطالبہ کیا تو خلیفہ وقت حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے اور غلام کو پیش کیا۔ قاضی نے دونوں کی گواہی ان سے قربی تعلق کی بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپؐ اپنے دعوے سے دستبردار ہو گئے۔

احترام قانون کے اس فقید المثال واقعے نے یہودی کو انتام تاثر کیا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

اسلامی معاشرے میں نماز کے اندر قانون کی پابندی کی دلکش تصویر موجود ہے، ایک صفحہ میں کھڑے ہو کر ایک قبلی طرف رُخ کر کے ایک امام کی اقتداء میں قیام، رکوع اور سجود، زید، عمرو، بکر، محمود و ایاز سب مل کر ہمیں قانون کی پابندی سکھاتے ہیں اور دلوں میں احترام قانون کا احساس پیدا کرتے ہیں۔

اسی طرح رمضان المبارک میں روزہ رکھنا احترام قانون کا حسین نفع ہے۔ حکم خداوندی کے تحت صحیح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک مفطراتِ ثلاثة (اکل، شرب اور بعال یعنی جماع) سے مطلق پرہیز یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمان اپنے خالقِ حقیقی کا مطیع اور فرمائ بردار ہے۔ حج بھی اسی قوانین کی پابندی کا ایک لذتیں نظارہ ہے۔

دنیا میں جہاں کہیں امن و سکون ہے، اس کا راز یہی ہے کہ وہاں کے باشندے قانون کے پابند ہیں، جہاں کہیں بگاڑ و انتشار ہے، بد امنی اور پریشانی ہے، وہاں قانون شکنی کی حکمرانی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے بدن انسانی ہمارے سامنے ہے کہ جب جسم کے نظام میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو بیماری لاحق ہو جاتی ہے اور بدن انسانی کا چین و سکون غارت ہو جاتا ہے۔ فتح مکہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرکار

دو عالم کی ہدایت کے تحت ان گھروں اور باغوں پر بھی قبضہ نہ کیا جن کو وہ ہجرت کے وقت چھوڑ گئے تھے، جو کہ قانون کی پابندی کی زندہ مثال ہے۔  
بیشکریہ ماہنامہ بیانات

• • •

### امام صاحبؒ کا تکفیر میں حزم و احتیاط

امام ابوحنیفہ حتی الامکان مونین کی تکفیر سے احتراز کرتے تھے، امام صاحبؒ کا مسلک تھا کہ اگر کسی مسلمان میں کفر کے ننانوے وجوہات ہوں اور صرف ایک وجہ ایمان کی موجود ہوں تو اسی کو ترجیح دی جائے گی اور ممکن حد تک مونین کے فعل کی تاویل کی جائے گی؛ چنانچہ امام صاحبؒ کے مختلف سوانح نگاروں نے یہ واقعہ کھا ہے کہ ایک شخص امام صاحبؒ کی مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے اس کے باوجود وہ جنت کی خواہش نہیں رکھتا، جہنم سے ڈرتا نہیں، مردہ کھاتا ہے، بلا رکوع و سجدے کے نماز پڑھتا ہے، اس چیز کی شہادت دیتا ہے، جسے اس نے دیکھا تک نہیں، حق بات کو ناپسند کرتا ہے، رحمت خداوندی سے دور بھاگتا ہے اور یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے۔

بظاہر یہ سب وجوہاتِ کفر ہیں جو اس شخص میں موجود ہیں، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، جس شخص نے یہ سوال کیا تھا، وہ امام صاحبؒ سے لفظ رکھتا تھا، آپ نے پوچھا تم ان سوال کا حل جانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، لیکن یہ بہت بری جیسی ہے، امام صاحبؒ نے اپنے شاگردوں سے پوچھا، اس شخص کے بارے تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ ان سب نے ایک زبان ہو کر کہا: جس شخص کی یہ صفات ہوں، وہ بدترین انسان ہے، امام صاحبؒ نے فرمایا: میرے نزدیک وہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے، سائل کو حیرت ہوئی تو امام صاحبؒ نے فرمایا: سنو! تمہارا یہ کہنا کہ جنت کی آرزو نہیں رکھتا اور جہنم سے نہیں ڈرتا ہے اس کا مطلب ہے کہ یہ شخص جنت کے مالک کی آرزو رکھتا ہے اور جہنم کے مالک سے ڈرتا ہے، تمہارا یہ کہنا کہ مردار کھاتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ مچھلی کھاتا ہے، تمہارا یہ کہنا کہ بلا رکوع و سجدہ کے نماز پڑھتا ہے اس کا مطلب ہے کہ جنазہ کی نماز پڑھتا ہے، تمہارا یہ کہنا کہ حق کو ناپسند کرتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ شخص زندگی کو پسند کرتا ہے؛ تاکہ اللہ کی خوب اطاعت کر سکے اور موت کو ناپسند کرتا ہے؛ جبکہ موت حق ہے، تمہارا یہ کہنا کہ فتنہ کا پسند کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مال اور اولاد کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنَّا أُمَّالُكُمْ وَأُولَادُكُمْ فِتْنَةٌ، تمہارا یہ کہنا کہ رحمت سے بھاگتا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ بارش سے بھاگتا ہے اور تمہارا یہ کہنا کہ یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے تو وہ یہود کے اس قول سے مست لصلاری علی شی اور نصاریٰ کے قول لیست یہود علی شی کی تصدیق کرتا ہے، جو کہ عین ایمان ہے، یہ سن کر وہ آدمی کھڑا ہوا اور امام صاحبؒ کی پیشانی کو بوسدیا اور کہا کہ آپ نے حق فرمایا، میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ (عقول اجمان ص: ۲۵۱)

مولانا عبدالوهاب شیرازی

## ریاستِ مدینہ کیسی ہو۔۔۔۔۔؟

پاکستان کے موجودہ وزیرِ اعظم نے ایکشن سے قبل بھی اور خاص طور پر ایکشن جتنے کے بعد کئی بار پاکستان کو ”ریاستِ مدینہ“ بنانے کے عزم کا اظہار کیا اور ریاستِ مدینہ کے کچھ کارنا مول کا ذکر بھی کیا۔ لیکن ایک عام پاکستانی شہری بالخصوص ایک عام مسلمان کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ ریاستِ مدینہ کیا ہے؟ اتنی بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ ریاستِ مدینہ سے مراد حضور ﷺ کی قائم کردہ وہ حکومت تھی جو مدینہ میں قائم ہوئی اور پھر پھیلتی چلی گئی، جسے خلافتِ راشدہ بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اس ریاستِ مدینہ میں کیا کیا خوبیاں تھیں اسے بہت کم لوگ جانتے ہیں، اس لیے پاکستانی عوام کو یہ بتانا اور ایکو کیسٹ کرنا نہایت ضروری ہے کہ ریاستِ مدینہ کیا تھی اور اس ریاست نے اس معاشرے میں کیا کیا اصلاحات کیں اور ان کے کیا اثرات اور نتائج مرتب ہوئے؟

آپ اکثر سیرت کے جلسوں اور مختلف بیانات میں قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ سنتے ہوں گے:

”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أَشْوَأَ حَسَنَةً۔“ (الاحزاب: ۲۱)

”تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نمونہ ہے۔“

جس طرح رسول اللہ ﷺ کی زندگی تمام انسانوں کے لیے نمونہ ہے، بالکل اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی

ریاست تمام دنیا کی ریاستوں کے لیے نمونہ ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے پہلے ہمیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ انسانی زندگی کے چھ گوشے ہیں، یعنی ہر انسان کا اپنی زندگی میں ان چھ گوشوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح تعلق ضرور رہتا ہے، اور یہی چھ گوشے مل کر ایک مکمل انسانی زندگی کا نمونہ دکھاتے ہیں:

- |            |            |
|------------|------------|
| ۱:- عقائد  | ۲:- عبادات |
| ۳:- رسومات | ۴:- معاشرت |
| ۵:- معیشت  | ۶:- سیاست  |

دنیا کا ہر انسان کسی نہ کسی حد تک اپنی زندگی میں ان چھ گوشوں کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ ہر آدمی کا کوئی نہ کوئی عقیدہ ہوتا ہے، قطع نظر اس کے کوہ صحیح ہے یا غلط۔ ہر آدمی کی زندگی میں کوئی نہ کوئی طریقہ عبودیت ہوتا ہے۔ ہر آدمی کچھ نہ کچھ رسومات رکھتا ہے۔ ہر آدمی اجتماعی زندگی میں معاشرے کا حصہ ہوتا ہے اور اس کا کسی طور پر معیشت اور سیاست کے ساتھ بھی تعلق اور واسطہ ہوتا ہے۔

ریاستِ مدینہ کی یہی واحد خوبی تھی کہ اس نے انسانی زندگی کے ان چھ گوشوں میں ایسی ایسی اصلاحات کیں کہ نہ اس سے پہلے کوئی کرسکا اور نہ اس کے بعد۔ ان چھ گوشوں کا اجمالی تذکرہ پیش

خدمت ہے:

### ۱:- عقائد

حضور اکرم ﷺ کو جب نبوت ملی تو آپ نے سب سے پہلا کام لوگوں کے عقائد و نظریات کی درستگی کا کیا، اور عرب کے اس جاہل معاشرے میں نظریہ توحید کی داغ بیل ڈالی۔ عرب کے اس معاشرے میں لوگوں کے مختلف عقائد تھے، کوئی ایک خدا مانتا تھا تو کوئی تین، کوئی لاکھوں خدا مانتا تھا تو کوئی بالکل بھی نہیں۔ لوگ اپنا خدا اپنے ہاتھوں سے بناتے اور پھر اس کے سامنے جھک جاتے۔ درباروں، مندوروں اور آستانوں پر چڑھاوے دیئے جاتے جس سے ان کو ہرگناہ کرنے کی آزادی مل جاتی، لیکن ریاستِ مدینہ کے بانی نے سب سے پہلے عقیدہ کا نعرہ مستانہ بلند کیا، کیونکہ عقیدہ ہی وہ پہلا پتھر ہے جو درست ہو جائے تو زندگی کا دھار ابدل جاتا ہے۔ ایک شخص نہ کسی خدا کو مانتا ہو اور نہ کسی حساب کتاب کو، تو پھر وہ اپنے پیٹ کا پتیر ہوتا

ہے، اس کی ساری تگ و دو، ہر محنت کوشش کا مخور اپنا پیٹ، اپنے بچ، اور اپنا گھر ہوتا ہے، نہ اُسے حلال و حرام کی تیز ہوگی اور نہ صحیح اور غلط کی۔ لیکن اگر اس کا عقیدہ بدل دیا جائے، تو صرف عقیدے کے بدلنے سے اس کی زندگی میں اتنی بڑی تبدیلی آجائے گی کہ وہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے سوچ گا کہ آیا یہ درست ہے یا غلط؟ حرام ہے یا حلال؟ نہ اس کی فکرانی کی ضرورت ہوگی اور نہ ڈنڈے کی۔ لہذا آج بھی اگر کوئی ریاستِ مدینہ بنانا چاہتا ہے تو اسے ریاست کے باسیوں کے عقائد اور نظریات کو درست کرنے کی فکر کرنی ہوگی، اور لوگوں کو ایک اللہ کا بندہ اور آخرت میں حساب و کتاب اور جواب دہ ہونے کا احساس دلانا ہوگا۔

## ۲:- عمادات

موجودہ وزیرِ اعظم کی تقریبِ حلف برداری کے آغاز میں جو تلاوت ہوئی تھی اس میں سورہ حج کی آیت نمبر: ۳۴ پڑھی گئی تھی:

”الَّذِينَ إِنْ مَكَنُوهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْوَلُوا الزَّكُوْهَ وَأَمْرُوا  
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوُا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔“ (الحج: ۳۴)

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ اگر ہم انہیں حکمرانی عطا کریں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور نکیوں کا حکم کریں اور برا نکیوں سے منع کریں۔ اس ایک آیت کریمہ میں حکمرانی کرنے کا پورا طریقہ بتا دیا گیا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ریاستِ مدینہ میں سب سے پہلا کام یہی کیا گیا۔ ریاست کا آغاز ہی مسجدِ نبوی کی تعمیر سے ہوا، جس سے پتا چلتا ہے کہ ریاستِ مدینہ کی پہلی ترجیح مساجد کی تعمیر تھی، نہ کہ مساجد ڈھانا۔ پھر صرف تعمیر پر اتفاق انہیں کیا گیا، بلکہ مسجد کو اس کا حقیقی مقام بھی دیا گیا۔ امورِ مملکت کے اہم فیصلے مسجد میں ہوا کرتے تھے، ریاستِ مدینہ کی مقننه مسجد میں ہی تھی، ریاستِ مدینہ کا جی ایچ کیوں بھی مسجد تھا، ریاستِ مدینہ کی سپریم کورٹ بھی مسجد میں ہی تھی۔ الغرض ریاستِ مدینہ کے تمام امور مسجد میں طے ہوتے تھے، ریاستِ مدینہ کے لشکر فوجی ہوں یا سفارتی سب مسجد سے روانہ ہوتے تھے۔ اور خاص طور پر خارجہ امور اور باقی

ممالک کے سفارتی و فود سے مذاکرات اور ملاقاتیں مسجد میں ہی ہوتی تھیں۔ ریاستِ مدینہ نے اپنی نیشنل پیونیورسٹی کا درجہ بھی مسجد کو ہی دیا ہوا تھا۔

سورہ حج کی آیت کریمہ کی روشنی میں ریاستِ مدینہ میں نظامِ صلوٰۃ اور نظامِ زکوٰۃ اس نئی پر قائم کیا ہوا تھا کہ کسی کو اس بات کی جرأت و ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ نماز یا زکوٰۃ چھوڑ سکے، چنانچہ عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: حضور ﷺ کے زمانے میں کوئی اس بات کی ہمت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ نماز اپنے گھر میں پڑھے، تمام لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ جو پیار ہوتا تھا اسے بھی دوآ دیوں کے سہارے لا کر مسجد کی صفائی میں بھاد دیا جاتا تھا۔ ہم تو یہ دیکھتے تھے جو کھلم کھلا منافق ہوتا تھا، اس کی کبھی کبھی (نوٹ کریں کبھی کبھی) جماعت کی نماز چھوٹ جاتی تھی، ورنہ کسی عام منافق کو بھی جماعت چھوڑنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ دوسری طرف ایک غلط فہمی کی وجہ سے ایک قبلی کے بارے میں پتا چلا کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے تو اس کے خلاف لشکر کشی کی تیاری شروع ہو چکی تھی، جبکہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں ریاستِ مدینہ نے مانعین زکوٰۃ کے بارے جو پالیسی اختیار کی وہ سب کے سامنے ہے۔

### ۳:- رسومات

قرآن حکیم کی سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے ریاستِ مدینہ کے بانی، شاہ عرب، ہادیِ عظم، سرورِ کوئین، نبی آخرالزماں ﷺ کا یہ وصف بیان کیا ہے:

”وَيَصُّعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ“

(الاعراف: ۷۴)

”اور ان پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔“

عرب کے اس معاشرے میں جو جاہلیت کے بوجھوں تسلی دبا ہوا تھا اور طرح طرح کی خود ساختہ بندشوں میں جکڑا ہوا تھا، ریاستِ مدینہ نے ان تمام بوجھوں کو اتارا، اور تمام بندشوں کو کھول کر

لوگوں کو آزاد کیا۔ طرح طرح کی من گھڑت رسومات اور رواج، جن کے نہ سرتھے نہ پاؤں، ریاستِ مدینہ نے سب کو ختم کر کے لوگوں کے بوجھ بکھے کیے۔ لوگوں کو بتایا کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟ ان غلط رسومات کے خاتمے کے ساتھ ساتھ اصل اور صحیح رسومات کا اجرا بھی کیا۔

رسومات خوشی کے موقع کی ہوں یا غنی کے موقع کی، ان کا صحیح طریقہ بتایا، اور بدعاں و خرافات کا مکمل صفائیا کیا، لہذا آج بھی اگر کوئی ریاستِ مدینہ کی طرز پر ریاست بنانا چاہے تو اسے لوگوں کو ان بوجھوں سے بکا اور ان بندشوں سے آزاد کرنا ہوگا جن میں لوگ جگڑے جا چکے ہیں اور نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے۔ جہیز، مہندی، اور لڑکی کے گھر کھانے کی رسومات وہ ناسور ہیں جنہوں نے ہمارے معاشرے کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اسی طرح فوتگی اور اس کے بعد کی رسومات کا معاملہ ہے کہ مرنے والے کا تیجہ، قل اور نخیرات ہو جائے تو وہ بخشنا بخشنا یا ہو جاتا ہے، گویا شادی کی رسومات نے لوگوں کی دنیا اور فوتگی کی رسومات نے لوگوں کی آخرت خراب کر کے رکھ دی ہے۔

### ۳:- معاشرت

ریاستِ مدینہ نے اپنے معاشرے کو جدید خطوط پر استوار کیا، اور جاہلیت کا وہ سارا گند صاف کیا جس نے عرب معاشرے کو لپڑا ہوا تھا۔ ریاستِ مدینہ نے عدل و قسط پر مبنی معاشرہ کھڑا کیا، جس میں قانونی مساوات کو راجح کیا۔ قانون سب کے لیے ایک تھا، امیر غریب کا کوئی فرق نہیں تھا۔

ایک فاطمہ نامی عورت جب چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی اور اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا تو اس کے قبلے والے ہر قسم کی سفارشیں، رشوئیں دینے کے لیے تیار ہو گئے کہ کسی طرح اس عورت کو قانون کے ہاتھوں سے چھڑا دیا جائے، لیکن حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میری بیٹی فاطمہ بھی ہوتی تو میں اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ حضرت علیؓ عدالت کے طلب کرنے پر عدالت میں پیش ہوئے اور حضرت عمرؓ نے مصر کے گورنر کے بیٹے کو سرعام کوڑے مارے اور یہ ثابت کیا کہ ریاستِ مدینہ میں قانون سب کے لیے برابر ہے۔ معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ قانون کی بالادستی ہو اور قانون میں امیر

غیرب، چھوٹے بڑے طبقے کا فرق مٹا دیا جائے۔ ریاستِ مدینہ نے معاشرے کی سطح پر دوسرا بڑا کارنامہ فاشی اور عریانی کو مٹانے کے حوالے سے کیا اور لوگوں میں پردے کا نظام رانج کیا۔ محض اور غیر محض کا فرق لوگوں کے ذہن میں بٹھایا۔ ریاستِ مدینہ نے معاشرے کی سطح پر تیسرا بڑا کارنامہ خواتین کے حقوق بالخصوص شادی میں زبردستی، وراثت سے محروم رکھنا، یتیم کا مال ہڑپ کرنا اور عورتوں کے حق ملکیت کو ثابت کرنے کے حوالے سے سرانجام دیا۔ اور لوگوں کو بتایا: عورت مال نہیں انسان ہے، اور حق ملکیت بھی رکھتی ہے۔ کوئی کسی عورت سے زبردستی شادی نہیں کر سکتا، کوئی عورت کے حق وراثت کو دبا نہیں سکتا۔ مرد و عورت دونوں کے حقوق ہیں، البتہ دائرہ کاریخندہ عیندہ ہے۔

### ۵:-معیشت

ایک وقت وہ تھا جب لوگوں نے بھوک کی شدت کم کرنے کے لیے پیٹ پر پھر باندھے ہوتے تھے، اور پھر چند سال بعد ایسا دور بھی آیا کہ ریاستِ مدینہ میں زکوٰۃ دینے والے تو تھے، لیکن زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ یہ سب کچھ ریاستِ مدینہ کی ان شاندار پالیسیوں کے نتیجے میں ممکن ہوا جو اس ریاست نے اختیار کیں۔ ان میں سب سے اہم چیز سود پر مکمل پابندی تھی، جس کی وجہ سے غریب کو سر اٹھانے کا موقع ملا اور امیر کے منہ میں لگام ڈال دی گئی۔ بھی وہ بنیادی پھر تھا جسے اٹھاتے ساتھ ہی ریاست کی معیشت ترقی کرنا شروع ہوئی۔

ریاستِ مدینہ نے ارتکازِ دولت پر بھی پابندی لگادی اور ایسی ایسی پالیسیاں جاری کیں کہ دولت چند ہاتھوں تک سمٹ کر نہ رہ جائے، بلکہ دولت ہر وقت حرکت میں رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے سود حرام اور زکوٰۃ فرض قرار دی گئی، یعنی ناجائز طریقے سے کوئی دولت اکٹھی نہیں کر سکتا، اور جائز طریقے سے اکٹھی کی گئی دولت بھی ایک حد کے بعد ایک خاص مقدارِ زکوٰۃ کی صورت لشادی جائے گی۔

اس کے علاوہ ریاستِ مدینہ نے امیروں پر زکوٰۃ تو فرض کی، لیکن غریبوں پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔ آج ریاستِ پاکستان امیروں کو تو طرح طرح کی چھوٹ دیتی ہے، لیکن غریب سے ایک سوئی سے

لے کر کھانے پینے کی بنیادی چیزوں یہاں تک کہ بچے کی تعلیم کے لیے خریدے گئے بال پن اور بستر مرگ پر لیٹے بیمار کی گولی تک ہر چیز پر ٹیکس وصول کرتی ہے۔ کئی چیزیں تو ایسی ہیں کہ جتنی ان کی اصل قیمت ہے، اس کے قریب قریب ہی اس پر ٹیکس لگادیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی بھی دل جمعی، خلوص، اور محنت سے کام نہیں کرتا بلکہ لوٹ مار، دھوکہ، فراڈ، اور غلط ذرائع سے دولت جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ریاستِ مدینہ شہریوں کو لوٹنے کے بجائے ان کی کفالات کرتی تھی۔ ریاستِ مدینہ شہریوں کی خواراک، صحت اور تعلیم کا خاص خیال رکھتی تھی۔ اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ریاستِ مدینہ نے ریاست کے خلاف لڑنے والے ہزارے موت کے مستحق دہشت گروں کو صرف اس شرط پر رہا کردیا تھا کہ آپ ہمارے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، چنانچہ ایسے دہشت گروں کو شرط پوری کرنے پر ریاستِ مدینہ نے بطور صلح تختیہ دار سے رہائی بھی دی۔

ریاستِ مدینہ نے اپنی نیشنل یونیورسٹی میں پڑھنے والے طالب علموں سے کبھی فیس نہیں لی، بلکہ لوگوں کو ترغیب دی کہ ان کے ساتھ بڑھ چڑھ کر تعاون کیا جائے۔ صحت کے میدان میں ریاستِ مدینہ بچ جنہے والی ماوں کو اس درد والم کی گھٹری میں لوٹنی نہیں، بلکہ اس نے پیدا ہونے والے بچوں کے وظائف جاری کیے۔

## ۲:- سیاست

ریاستِ مدینہ کی سیاست کے دو بنیادی نکتے تھے: ایک یہ کہ مقتدرِ اعلیٰ اور حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات با برکات ہے۔ دو میں یہ کہ دعوتِ حق کا فروع کیا جانا چاہیے، چنانچہ ریاستِ مدینہ کی ساری سیاست اسی نکتے کے گرد گھومتی تھی۔ کوئی لشکر روانہ کرنا ہو یا مذاکرات، خارجہ پالیسی ہو یا عسکری پالیسی، انہیں دونوں کو منظر رکھ کر بنائی جاتی تھی، چنانچہ ایک وقت وہ تھا کہ ریاستِ مدینہ کے بانی ﷺ کو غار میں پناہ لینا پڑی، اپنا گھر بارچھوڑنا پڑا، لیکن چند سال بعد وہ وقت آیا کہ آپ ﷺ نے اس وقت کی سپر پا اور طاقتوں روم و ایران کے بادشاہوں کو اسلام میں داخل ہونے کے خطوط لکھے اور دعوتِ حق کے فروع کو عرب سے نکل کر جنم میں

پھیلانا شروع کر دیا۔

یہ تھی وہ ریاستِ مدینہ جس کے نام کو استعمال کر کے ایکشن کمپین بھی چلی اور اب اسی نام پر حکومت بھی چل رہی ہے۔ ہم کسی کے خلوص میں شک تو نہیں کرتے کہ دل چیر کر دیکھا نہیں جاسکتا، لیکن امید اور دعا ضرور کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حکمرانوں کو بھی اور ہم سب کو ریاستِ مدینہ کی طرز پر پاکستان کی ریاست کو ڈھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

• • •

## قربانی کا جانور ذبح کرنے کی دعا

قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اس کو قبلہ رخ لٹائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

”إِنِّي وَجْهَتْ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنِّي صَلَّى وَنَسَكَى وَمَحِيَّا وَمَمَاتَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أَمْرَتْ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ، اللَّهُمَّ مَنْكَ وَلَكَ“ اس کے بعد ”بِسْمِ اللَّهِ اللَّهِ أَكْبَرْ“

کہہ کر ذبح کرے۔ (کذا فی سنن ابی داؤد)

ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

”اللَّهُمَّ تَقْبِلْ مِنِّي كَمَا تَقْبِلْتَ مِنْ حَبِيبِكَ مُحَمَّدَ وَخَلِيلِكَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ“۔

مفتی محمد فیصل حیدر

شعبہ تصنیف و تالیف

جامعہ دارالتدقی لاہور

## اندھے، بہرے نہ بنیں ہوش سے کام لیں

کہا جاتا ہے کہ: ”محبت اندھی ہوتی ہے۔“ یعنی انسان پر جب کسی کی محبت کا جنون سوار ہو جاتا ہے تو اسے محبوب کی کوئی برائی، برائی نظر نہیں آتی، بلکہ اس کی ہر ادا اچھی ہی لگتی ہے چاہے اس میں کیسی ہی خرابی موجود ہو، کچھ ایسا ہی آج کل ہمارے معاشرے میں دیکھنے میں آ رہا ہے، خاص طور ان لوگوں میں جن کا تعلق کسی بھی سیاسی پارٹی سے ہے۔ عام فضایہ ہے کہ ہر حال میں اپنی پارٹی ہی کی حمایت کرنی ہے، ہمارا پارٹی منشور ہی سب سے پرکشش ہے، ہماری داخلہ و خارجہ پالیسی ہی سب سے بہتر ہے، صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کے شعبوں میں ہماری پیش کردہ حکمت عملی میں ہی کامیابی ہے، ہم نے اپنے لیڈر کی ہر بات کی تائید ہی کرنی ہے، اگر وہ کوئی غلط بات بھی کہہ دے تو اس کی تاویل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، چاہے اس کے عوض ایمان ہی سے ہاتھ دھونا پڑے۔

گذشتہ دنوں ہمارے وزیر اعظم صاحب نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق انتہائی غیر سنجیدہ زبان استعمال کی، اس سے پہلے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی حد درجہ غیر ذمہ ارائه تبصرہ کرچکے ہیں، نیز سید الاولین والا آخرین حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو الفاظ انہوں نے استعمال کیے ہیں، ایک مسلمان ان الفاظ کو زبان پر لانا تو درکنار، ان کا تصور کرنا بھی اپنے ایمان

کی بریادی کا سبب سمجھتا ہے۔

لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ایسے عاشقان رسول کی بھی کچھ کمی نہیں، جنہیں ان باتوں میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، ہم میں ایک بڑا طبقہ ایسا بھی ہے، جس نے اس بات کی قسم کھارکھی ہے کہ ہر حال میں اپنی پارٹی ہی کو اچھا کہنا ہے اور اپنے لیڈر ہی کی تائید کرنی ہے ۰۰۰ ایمان بچتا ہے بچے، نہیں بچتا نہ بچے۔

حیرت ہے: اگر کوئی غیر مسلم آپ کے نبی کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو آپ اپنی جان پر حمل جاتے ہیں، اسے سزا دلانے کے لیے پورا ملک جام کر دیتے ہیں، جلسے کرتے ہیں، ریلیاں نکالتے ہیں، سخت ترین عمل کا اظہار کرتے ہیں، ناصرف ملکی بلکہ عالمی سطح پر اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر خاموش رہنا ہماری غیرت ایمانی کے منافی ہے، لیکن اسی قسم کی گستاخی اگر آپ کا اپنا لیڈر کر گزرتا ہے تو آپ کو اس میں کوئی خرابی نہیں دھکتی، ناصرف یہ کہ اس میں کوئی خرابی نہیں سمجھتے بلکہ اپنے لیڈر کو پورا پورا سپوٹ کرتے ہیں اور اس کی بات کی ایسی خوبصورت تشریع کرتے ہیں کہ گویا یہ بات کہے بغیر چارہ کار ہی نہ تھا۔

لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے جب تک محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ساری محبتوں سے بڑھنے جائے تب تک ایمان کامل نہیں ہو سکتا... اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

{النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسهم}

(ایمان والوں کے لیے یہ نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں)

نیز حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

”لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبُّ الْيَهُودِ إِلَيْهِ مِنْ وَالَّذِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسُ أَجْمَعُونَ۔“

(تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک، اس کے والد، اولاد اور ساری خلقت سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ: ”یا رسول اللہ! آپ مجھے میری جان کے علاوہ باقی سب سے زیادہ محبوب ہیں“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: ”تمھارا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا، جب تک میں تھیس تمھاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤ۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسی وقت عرض کی: ”یا رسول اللہ! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے ہیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عمر! اب تمھارا ایمان مکمل ہوا ہے۔“

نیز یہ بھی آخرحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

”حبک الشیء یعمی و بضم“

(تمھارا کسی سے محبت کرنا تھیس اندھا اور بہرا کر دے گا)

اور یہ حقیقت ہے کہ جب انسان کے دل و دماغ پر کسی کی محبت و عقیدت سوار ہو جاتی ہے تو وہ اپنے محبوب سے متعلق دیکھنے اور سننے میں صحیح غلط کی تمیز کھو دیتا ہے اپنی عقل کی ڈوری اپنی چاہت کے ہاتھ میں تمھارا دیتا ہے، آنکھوں پر عقیدت کی پٹی باندھ لیتا ہے اور کانوں میں محبت کی روئی رکھ دیتا ہے، اب اسے محبوب ویسا نظر نہیں آتا جیسا کہ وہ ہوتا ہے، بلکہ ویسا نظر آتا ہے جیسا اس کی عقیدت اسے دکھاتی ہے، محبوب کی بات کو اس طرح نہیں سنتا جس طرح وہ بول رہا ہوتا ہے بلکہ اس طرح سنتا ہے جیسے اس کی محبت اسے سنتا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ آپ ایک آزاد انسان ہیں، اپنا ایک خاص نکتہ نظر رکھتے ہیں، حالات کا مشاہدہ کر کے کوئی بھی نتیجہ نکال سکتے ہیں، اپنی عقل و دانش کی روشنی میں ملک کو درپیش مسائل میں کسی بھی قصور و اڑھہر اسکتے ہیں، ملکی اور عالمی حالات سے متعلق کوئی بھی رائے قائم کر سکتے ہیں، حکومت کی معاشری اور دفاعی پالیسیوں کے بارے میں کوئی بھی نظریہ اپنا سکتے ہیں، کسی بھی سیاسی پارٹی کو سپوٹ کر سکتے ہیں، کسی کو بھی دوٹ دے سکتے ہیں، کوئی آپ سے آپ کی یہ آزادی چھین نہیں سکتا۔

لیکن عقل دانش کی دنیا میں رہتے ہوئے کوئی رائے قائم کرنا اور چیز ہے، جب کہ عقل کا اندھا ہو جانا اور چیز ہے۔ میرا مقصد نہ تو آپ کو حکومت کے خلاف بھڑکانا ہے اور نہ ہی کسی شورش کو ہوادینا ہے، نہ کسی خاص پارٹی کی طرف داری کرنا مقصود ہے نہ کسی کی مخالفت پیش نظر ہے، آپ جس پارٹی کو

چاہیں سپورٹ کریں جیسے چاہیں ووٹ دیں لیکن انبیا اور صحابہ کرام کی عقیدت کے دام تو نہ لگا نہیں، غلامی رسول پر تو کوئی سودا نہ کریں، روزِ محشر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے دروازے تو خود پر بند نہ کریں۔

اندھے بہرے نہ بنیں ہوش سے کام لیں۔

• • •

## دعا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

**”الدُّعَاءُ سَلَاحٌ الْمُؤْمِنِ، وَعَمَادُ الدِّينِ، وَنُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ“**

ترجمہ: دعا (ظاہری و باطنی) دشمنوں کے شرور سے بچنے کیلئے مؤمن کا اسلحہ ہے، دین کا ستون ہے اور آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (متدرک حاکم)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**”إِلَّا أَدْلُكُمْ عَلَىٰ مَا يُنْهِيُكُمْ مِنْ عَدُوٍّ كُمْ وَيَدْرِلُكُمْ أَرَاقُكُمْ؟ تَدْعُونَ اللَّهَ فِي**

**”لِيْلَكُمْ وَنَهَارِكُمْ، فِإِنَّ الدُّعَاءَ سَلَاحُ الْمُؤْمِنِ“**

کیا میں تمہیں ایسے عمل کے بارے میں نہ بتاؤں جو تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دلانے اور تمہارے رزق کو بڑھادے؟ اور وہ عمل یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دن اور رات کو دعا کیا کرو اس لئے کہ دعا مؤمن کا اسلحہ ہے۔ (مندابیعالیٰ موصیل:)

ایک اور روایت میں ہے:

**”نِعَمَ سَلَاحُ الْمُؤْمِنِ الصَّبَرُو الدُّعَاءُ“**

ترجمہ: صبر اور دعا مؤمن کا بہترین اسلحہ ہیں۔ (دیلی بحوالہ کنز العمال:)

مفتی عبدالرؤف سکھروی

## اپنی تجارت کو برکت بنائیں

### تجارت میں برکت کے نکھ:

الحمد لله! اللہ کا احسان ہوا کہ اس نے ہمیں ایک ایسے دین سے وابستہ کیا جس نے اپنے ماننے والے کو زندگی گزارنے کے لیے عمدہ اصول بتائے، جس کو مدد نظر رکھ کر ہر آدمی اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنی زندگی کی کشتمی کو کنارے لگا سکتا ہے، لہذا یہ ممکن نہیں ہو سکتا ہے کہ اسلام نے ہمیں ایسے طریقے نہ بتائے ہوں جس سے ہماری تجارت میں برکت ہو، تو آئیے ہم قرآن اور حدیث کی روشنی میں اور صحابہ و اسلاف کے آثار میں اور بزرگوں کے تجربے میں ان کو تلاش کریں قرآن کریم چونکہ ہمارے لئے آسمانی گائنس ہے لہذا سب سے پہلے قرآن ہی میں اس کو تلاش کریں۔

### تفاوی:

قرآن میں ارشاد ہے: وَمَنْ يَتَقَرَّبْ لِهِ بِخُلُقٍ يَعْلَمْ لَهُ مُخْرِجًا۔ یعنی جو شخص تقویٰ اختیار کرے تو اللہ اس کے لئے ہر مصیبت اور پریشانی سے نکلنے کی سہیل نکال دیتا ہے۔

پتا چلا کہ اگر ہم بھی اپنی تجارت میں ہونے والی پریشانی سے نکلنے چاہتے ہیں تو سب سے پہلے مقتی یعنی

اللہ سے ہر حال میں ڈرنے والے بن جائیں، اب تقویٰ کسے کہتے ہیں: اللہ کی چاہت اور مرضی پر چلنے کو، اور نامرضیات سے بچنے کو؛ لہذا اگر ہم اپنی تجارت میں کذب بیانی دھوکا دیں، جھوٹی قسم، سودخوری رشوت خوری، ظلم، غصب، چوری، خیانت، حرام چیزوں کی خرید و فروخت سے اعتناب کرتے ہیں، تو ہماری تجارت میں خود بخوبی برکتیں نازل ہونے لگیں گی۔

**شکر:**

لآن شکر تم لازم نکم اگر تم شکر گزاری کرو گے تو میں ضرور بالضرور نعمتوں میں اضافہ کر دو گا۔

اس آیت سے اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسان جب تجارت کرے اور تجارت کے بعد جو کچھ بھی نفع مل جائے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے، تو اللہ تجارت میں برکتوں کو نازل کرے گا لہذا جو بھی تھوڑا بہت ہاتھ لگے اس پر اللہ کا شکر بجا لائے آپ کی تجارت میں خود بخوبی نفع بڑھنے لگے گا۔

#### صدقہ اور خیرات:

یح۱ق اللہ الریوا ویربی الصدقات اللہ رب العزت سود کو ملیا میٹ کر دیتا ہے اور صدقات میں بڑھو تری

کرتا ہے۔

اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ سود کے ذریعہ اگرچہ ظاہری نظر سے مال میں بڑھو تری نظر آتی ہے، لیکن حقیقتاً وہ بڑھو تری اور اضافہ نہیں ہوتا بلکہ کمی ہوتی ہے، کیونکہ سود کے سبب مال اور جان پر جو غم اور پریشانیاں پر درپے آتی رہتی ہیں اور وہ حرام کے مال کے ساتھ دوسرا مال بھی اس کے پیچھے خرچ ہوتا ہے۔ اللہ ہم سب کو سود جیسی تباہ کن بیماری سے حفاظت فرمائے۔ آمین!

پھر قرآن نے آگے ارشاد فرمایا: ویربی الصدقات یعنی صدقات کو بڑھو تری دیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صدقہ خیرات دینے سے ظاہرًا اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مال میں کمی ہو گئی، لیکن حقیقت میں مال میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ رب العزت صدقہ کی برکت سے مال میں برکتوں کو ڈال دیتا ہے، اور مالی پریشانی اور رزق میں بیگنگی کو دور کر دیتا ہے یہ تو دنیا کا معاملہ ہے اور آخرت میں صدقہ کی نیکیاں پھر الگ ہوں گی اللہ رب العزت ہمیں اپنے راستے میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اور قرآن کی اس آیت کو آپ تاریخ کے آئینے پر پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ صحابہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ کے راستے میں بے دریغ اور بے حساب مال خرچ کیا تو ان کے مال میں اضافہ ہی ہوتا گیا اسی طرح عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ کے راستے میں بے تہاشا مال خرچ کیا تو ان کے مال میں بھی کبھی ہم نے کمی کے بارے میں نہیں پڑھا بلکہ یہ لوگ ایسے تھے کہ ان کی دنیا بھی سنورگی اور آخرت میں بھی اللہ کی جانب سے خوشنودی کا سرٹیفیکیٹ مل گیا۔ ان کے واقعات کو آپ سیرت صحابہ اور سیرت الصحابہ وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

### ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ:

اللَّهُرَبُ الْعِزَّةِ نَرْشَدْرُمَايَا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هُنَّ أَهْلُكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تَنْجِيْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ يُوْمَنُونَ

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَالِكُمْ خَيْرُكُمْ

ان كنتم تعلمون۔

اے ایمان والو! کیا میں تمہاری ایسی تجارت کی طرف رہنمائی کروں جو تم کو دردناک عذاب سے بچالے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور خدا کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو اگر تم یہ سمجھو یہ چیز تمارے حق میں بہتر ہے۔ اس آیت میں اللہ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤے اور پھر اپنی جان و مال کو اس کے راستے میں کھپادیوے، پتا چلا کہ ایمان میں چنگی اور ثبات قدی، جہاد فی سبیل اللہ سے بھی انسانی حالات درست ہو جاتے ہیں اور رزق میں برکتیں نازل ہوتی ہیں۔

### ذکر اللہ، ادائے زکوٰۃ اور اہتمام نماز اور خوف آخرت:

قرآن نے فرمایا:

رَجَالٌ لَا تَلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكُوٰةِ

يَخافُونَ يَوْمًا تُنْقَلِبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ لِيَجزِيَّهُمُ اللَّهُ أَحْسَنُ مَا عَمَلُوا وَيُزَيِّدُهُمْ

من فضله و اللہ یرزق من یشاء بغير حساب۔

یعنی صالحین تو وہ لوگ ہیں جن کو خدا کے ذکر کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تو سوداً گری اور نہ ہی خرید و فروخت غافل کرتی ہے، وہ ڈرتے ہیں اس دن سے جب دل (خوف اور گھبرہ اہٹ) کے سبب الٹ جائیں گے، آنکھیں (اوپر چڑھ جائیں گی) تاکہ اللہ رب العزت ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلت دیوے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی کر دیوے، اور اللہ رب العزت جسے چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں۔

برادران اسلام! ہماری زندگی کا مقصد دین اور تقویٰ عبادت اور ذکر اللہ نہ دنیا نہ مال نہ عیش و عشرت جیسا کہ قرآن کی یہ آیت بتا رہی ہے یعنی تجارت و خرید و فروخت ان کو اللہ کے ذکر سے (جو مقصود مومین ہے) غافل نہیں کرتی۔

افسوں! اس زمانہ میں اکثر مسلمانوں نے تجارت کو مقصود اصلی بنا لیا جس کے نتیجے میں محبت کے رشتے کمزور ہو گئے اور جھگڑوں اور فتنوں کا ایک عظیم طوفان برپا ہو گیا۔ ایک شاعر کا کہنا ہے۔

کل تک محبوں کے چہنے تھے کھلے ہوئے  
دو دل بھی آج مل نہیں سکتے ملتے ہوئے

مگر آج کل اکثر مسلمانوں کی خصوصاً مغرب زدہ اور یورپ سے متاثر تعلیم یافتہ لوگوں کے شب و روز حرکات و سکنات افعال و کردار اقوال و اعمال سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا ہی انہیں محبوب ہے اور وہی ان کا مقصود ہے مذہب کو یہ لوگ محض اس لئے اختیار کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے مصالح دنیا محفوظ رہیں باقی دین کو حیثیت سے اختیار نہیں کرتے اگر ایسا ہوتا تو دنی امور کو از خود اختیار کرتے اور انہی کو پسند کرتے دوسرا تو مولی یعنی یورپی اقوام کی تقلید نہ کرتے اور ان کی طرف نہ دیکھتے، پس ان لوگوں کی بڑی غلطی یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کو اصل مقصود اور دین کو تابع فرمادیتے ہیں حالانکہ اس آیت میں تلبیہم تجارت و لایحہ عن ذکر اللہ کے اسلوب سے صاف معلوم ہوتا ہے دنیا مقصود نہیں بلکہ دین ہی اصل مقصود ہے اگر دنیا مقصود ہوتی تو اللہ تبارک و تعالیٰ یوں فرماتے: لایلہم ذکر اللہ عن التجارة و الیع یعنی ذکر اللہ کی مشغولیت ان کو تجارت سے

غافل نہ کرتی لیکن اللہ نے یوں نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا کہ تجارت ولایع عن ذکر اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقصود اصلی دین ہے۔

بات طول پکڑ گئی تو کہنا یہ مقصود ہے کہ جب انسان اپنے آپ کو دین کا پابند اور تابعدار بنتا ہے تو اس پر رزق کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ اللہ نے اس آیت میں ایک قانون بیان کیا جو پابندی سے صوم و صلاۃ کرے، اور فریضہ زکوٰۃ ادا کرے، اور اللہ سے ڈرتا رہے، تو اللہ رب العزت اس کو بہترین بدله دیتا ہے اور پھر آگے فرمایا: وَبِزِيدِهِمْ مِنْ فَضْلِهِ اور اپنے فضل سے اضافہ کرتا یعنی حلال رزق کی طرف، سیجزی سے اشارہ کیا اور زیادتی کی طرف و بیزیدہم سے اشارہ کیا، کیوں کہ اس آیت میں اگر اس کے سیاق و سبق کو دیکھا جائے تو فضل سے مراد رزق ہونا چاہیے کیونکہ پہلے تجارت کا تذکرہ اور بعد میں واللہ یہ رزق من یشاء یعنی اللہ جس کو چاہے ہے بے حساب رزق عطا کر دے کا تذکرہ بتا دیتا ہے کہ فضل سے مراد رزق ہوگا، اور آگے بڑھ کر میں یوں کہہ سکتا ہوں کہ لانلهم سے نماز اور زکوٰۃ میں اخلاص کی طرف اشارہ ہو کیونکہ مخلص کے مد نظر ہمیشہ آخرت ہوتی ہے اور قرآن کہتا ہے بخافون یوم المیعنی وہ آخرت سے ڈرتے ہیں اور لیجزہم پھر اس کے بعد و بیزیدہم اور پھر آگے و بیزق من یشاء سے بے حساب برکت فی الرزق کی طرف اشارہ ہے اور اس کے نمونہ تاریخ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں موجود ہے۔

### استغفار:

سورہ نوح میں اللہ رب العزت ایک اولو العزم اور صاحب صبر جمیل پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا ان کی قوم کو نصیحت و موعظت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وقلت استغفر ریکم انه کان غفارا یرسل السباء علیکم مدرارا و یمدکم باموال و بنین و یجعلکم جنات و جعلکم انہارا۔ یعنی نوح علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اس پروردگار سے استغفار کرو یعنی گناہوں کی بخشش طلب کرو بیشک وہ بہت زیادہ بخششے والا ہے، (استغفار کی برکت سے) تم پر موسلا دھار بارش بر سائے گا۔ اور مال اور اولاد کے ذیعہ تمہاری امداد کرے گا اور تمہارے لئے باغات کی رویاں کر دیگا اور نہروں کو جاری کر دیگا۔ قرآن کریم کی اس آیت

سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار سے رزق میں برکات اترتی ہیں اور اولاد کی بھی ولادتیں ہوتی ہیں کیونکہ ایک ایسا جلیل القدر نبی جس کی دعوت ساڑے نو سال رہی وہ نبی اپنی قوم کو یہ بات کہہ رہا ہے اور پھر قرآن جسی عظیم کتاب اس کو نقل کر رہی ہے، پتا چلا کہ یہ ایک لازمی امر ہے کہ استغفار سے رزق میں برکات اور انوار کا ورود ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کو دوسری جگہ اس طرح فرمایا کہ: ما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم و ما کان اللہ معذبہم وہم یستغفرون۔ یعنی اللہ رب العزت آپ کے ان کے درمیان ہوتے ہوئے انہیں عذاب نہ دے گا، اور وہ استغفار کر رہے ہوں تب بھی اللہ ان کو عذاب دینے والا نہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قوم کے افراد برابر استغفار میں لگے رہے تو اس پر تھر خداوندی نہیں اترتا چاہے وہ قحط کی صورت میں ہو چاہے وہ تنگی رزق کی صورت میں ہو یا چاہے وہ طاعون، سارس اور مہلک امراض کی صورت میں ہو۔ بہر حال استغفار کی برکت سے آدمی اپنے رزق میں برکت نازل کرو سکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اور بھی ان گنت فائدے اس کے ضمن میں پاسکتا ہے۔ اب استغفار کا طریقہ کیا ہو اور اس کے الفاظ کو نے افضل ہے تو ان شاء اللہ ”اوراد و ظائف“ کے تحت ذکر کیا جائے گا۔

### صح سویرے تجارت کا آغاز کرنا:

صح کا وقت بڑا بابرکت وقت ہے اس میں بہت زیادہ برکتیں اور حمتیں ہیں لہذا تاجر کو چاہئے کہ وہ جلد از جلد بستر کو چھوڑ دے اور ہو سکے تجدید پڑھے ورنہ فخر کی نماز کا ضرور اہتمام کرے پھر کچھ دیر قرآن کی تلاوت میں صرف کرے اور کچھ دیر ذکر خداوندی میں صرف کرے اور پھر بجائے دوبارہ سونے کے اگر اشراق کا وقت ہو جائے تو اشراق کی کم سے کم دور کعت ہی ادا کر لیوے اس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یا ابن آدم رکع لی رکعتین فی اول النهار اکفک آخرہ۔

یعنی اے ابن آدم! تو میرے لیے دور کعت دن کے ابتدا حصہ میں پڑھ لے میں دن کے آخری حصہ تک تیرے لیے کافی ہو جاؤں گا۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! میرے دن کے آغاز کو نیک عمل کا حصہ بنا کے مجھے نیک عمل کی توفیق ہو جائے تاکہ سارا دن اللہ کی نصرت اور مد میرے ساتھ رہے۔ مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں کہ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالگی صاحب رحمۃ اللہ

علیٰ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے صبح کا وقت ایسا بنا لایا ہے کہ اسی کائنات کی ہر چیز میں نئی زندگیاں آتی ہیں کہ سوتے ہوئے لوگ بیدار ہوتے ہیں کیاں چکلتی ہیں غنچے کھلتے ہیں پھول کھلتے ہیں پرندے جا گتے ہیں اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں یہ وقت نئی زندگی عطا کرنے والا ہے اگر اس نئے وقت کو اللہ کے ذکر میں گزارو گے تو تمہارے قلب کے اندر رجوعِ الی اللہ کا نور پیدا ہو گا اتنا نور اتنا نور کہ دوسرے اوقات میں ذکر کرنے سے حاصل نہ ہو گا۔ پھر حضرت والا (یعنی مفتی تقی عثمانی) تحریر فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ فخر کے وقت مسلمانوں کی کسی بستی سے گزر رجاو توہر گھر میں تلاوت قرآن کریم کی آواز آیا کرتی تھی چاہے وہ عالم کا گھر ہو یا جاہل کا اسی سے معاشرے میں نورانیت محسوس ہوتی تھی لیکن اب افسوس یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی بستی سے گزوں تو تلاوت کے بجائے فلمی گانے کی آوازیں آتی ہیں، فالعیاذ باللہ۔ صبح کے وقت ہمارا حال ایک شاعر مجیدی لاہوری مرحوم اپنے اشعار میں اپنے زمانے کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے۔ پہلے لوگ سویرے اٹھتے تھے، اور اٹھ کر قرآن پڑھا کرتے تھے، نوبجے اٹھتے ہیں اور اٹھ کر ڈان پڑھتے ہیں جب دن کا پہلا حصہ ہی ایسے بڑے کام میں لگا دیا اور اللہ کے ذکر سے غافل ہو گئے تو پھر سارے دن کے کاموں میں نور کھاں سے آئے گا؟ بہر حال اللہ نے صبح کے وقت میں بڑی برکت رکھی ہے اور بڑی نور رکھا ہے اگر انسان اس وقت کو تلاوت میں اللہ کے ذکر میں لگائے تو انشاء اللہ اس کا نور حاصل ہو گا۔

### صبح کے وقت میں برکت ہے:

ایک حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”بَارِكَ اللَّهُ لَا مُتْنَى فِي بَكُورِهِمْ“ یا پھر یہ الفاظ ہے ”اللَّمَّا بَارَكَ لَا مُتْنَى فِي بَكُورِهِمْ“ یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے صبح سویرے میں برکت رکھی ہے یا اے اللہ میرے امت کے صبح کے وقت میں برکتیں نازل فرم۔

اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ذکر یا عبادت کی حد تک نہیں فرمائی بلکہ ایک شخص جو تاجر تھے ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ تم صبح سویرے اپنی تجارت کے کام کو انجام دیا کرو وہ صحابی فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشاد سننے کے بعد میں نے اس پر عمل کیا اور صبح ہی اول وقت میں تجارت کا عمل شروع کیا کرتا تھا تو اللہ نے مجھے اس کی برکت سے اتنا مال عطا فرمایا کہ لوگ

مجھ پر رشک کرنے لگے۔  
کاروبار مندہ کیوں نہ ہو؟

اب ہمارے یہاں ساری قدریں الٹ ہو گئیں دن کے گیارہ یا نو بجے تک بازار بند رہتا ہے گیا رہ بجے کے بعد کاروبار شروع ہوتا ہے گیا رہ بجے کا مطلب دو پھر گو یا دن کا ایک پھر تو بیکار نیند اور غفلت کی حالت میں نہ نماز نہ صلوٰۃ نہ ذکر نہ تلاوت بلکہ گناہوں میں گزر گیا، کہیں فلم دیکھنے میں، کہیں سریل دیکھنے میں، کہیں گانے سنتے میں، کہیں گپ شپ میں، پھر ہر شخص کے زبان پر یہ رونا کہ کاروبار مندہ ہے کہاں سے کاروبار چلے مندہ ختم ہو جبکہ تو نے ہی تلاوت اور ذکر اللہ اور نماز میں مندہ کر رکھا ہے جس ذات کی قدرت میں کاروبار ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان الله ب وبالاست القاص المسرع الرزاق اللہ رب العزت وہ ہی رزق میں فراخی اور پھیلا و گرنے والا، وہ ہی کاروبار میں مندہ ڈالنے والا، وہی قسمتوں کو متعمین کرنے والے اور رزق دینے والا ہے، اب جب ہم نے ہی اپنے تعلقات کو اس کے ساتھ کمزور کر دیا جبکہ کاروبار میں ترقی دینا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے تو پھر وہ بھی ہم پر کیوں برکتوں کو نازل کریگا الہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سے تعلق قائم کیا جائے اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستہ کو اپنایا جائے اور صبح سویرے نماز ذکر تلاوت وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنی تجارت کا آغاز کیا جائے پھر دیکھو کیسی برکتیں نازل ہوتی ہیں، اللہ ہم سب کو من يطع اللہ والے گروہ میں داخل فرمادیوے اور دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

نوٹ: امام ہیئتی نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد سونے سے منع فرمایا وہ روایت یہ ہے: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فجر کے بعد مستصلہ سوتے ہوئے دیکھا تو ان کو جگایا اور فجر کے بعد سونے سے منع فرمایا۔

• • •

عبدالودود ربانی

## تبہرہ کتب

کتاب کا نام: انوار الحق

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق مدظلہ

تعداد صفحات: 368

ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ خالق آباد نو شہر کے پی کے 03013019928

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق مدظلہ فخر الحدیثین حضرت مولانا عبد الحق نور اللہ مرقدہ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ منتک کے صاحزادے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید کے برادر اصغر اور مولانا سمیع الحق کی شہادت کے بعد دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم ہیں۔ آپ آٹھویں دہائی کی انتہا کو چھور ہے ہیں۔ آپ نے ساری زندگی اپنے عظیم والد کے قائم فرمودہ عظیم دینی درسگاہ کی خدمت، انتظام و انصرام کی دیکھ بھال، تعلیم و تعلم اور درس و تدریس میں گزار دی۔

زیر تبصرہ کتاب (جو چار جلدیں پر مشتمل ہے) میں آپ کے ان خطبات کو جمع کیا گیا ہے جو آپ نے دارالعلوم حقانیہ کی مسجد قدیم میں خطبہ جمعہ کے طور پر ارشاد فرمائے۔ یہی مسجد اور اس کے منبر و محراب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق قدس اللہ سرہ کا منند و عظ و ارشاد رہی اور آگے چل کر عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ کا تاسیسی سرچشمہ بنی۔ کتاب کے چیدہ چیدہ صفحات کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ حضرت کا انداز خطابت نہایت سادہ، لذتیں، تصنیع و بناؤٹ سے پاک اور اخلاص و لٹھیت کو لئے ہوئے ہے۔ بلاشبہ آپ کے وعظ و خطبات میں آپ کے والد جلیل کے مواعظ کی جھلک نظر آتی ہے۔ جس میں امت کا درد، کڑھن اور ہمدردی واضح ہے۔ اللہ مجھوں ہذا کو امت کے لئے نافع بنائے۔ آمین

• • •

دارالافتاء و الحجۃ

جامعہ دارالتدقی

## آپ کے مسائل کا حل

قربانی کس پر ہے؟

⊗ قربانی ہر اس عاقل، بالغ اور مقیم شخص پر واجب ہوتی ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تو لہ چاندی یا اتنی مالیت کا سونا یا سامان تجارت یا بنیادی ضروریات اور قرضے کے علاوہ کسی بھی شکل میں کوئی بھی سامان ہو۔

⊗ اگر پہلے اتنا مال دار نہ تھا اس لیے قربانی واجب نہ تھی، پھر بارہویں تاریخ کے سورج ڈوبنے سے پہلے کہیں سے اتنا مال مل گیا چاہے تختواہ کی صورت میں ہو یا ہدیہ کی صورت میں ہو یا اور اشت کی صورت میں، تو بھی قربانی کرنا واجب ہے۔

⊗ قربانی مقیم پر واجب ہوتی ہے مسافر پر نہیں، البتہ قربانی کے تینوں دن اقامت کا ہونا شرط نہیں ہے۔ مسافر اگر بارہویں تاریخ کو سورج ڈوبنے سے پہلے گھر پہنچ گیا یا پندرہ دن کہیں ٹھہرنا کی نیت کر لے تو اب بھی قربانی کرنا واجب ہے۔

قربانی اور زکوٰۃ کا نصاب

⊗ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قربانی اور زکوٰۃ کا نصاب ایک ہی ہے اور یہ کہ قربانی اسی شخص پر واجب ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن یہ بات درست نہیں، بلکہ قربانی کا نصاب علیحدہ ہے جو اور مذکور ہوا۔ اس لیے ایسا ممکن ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص پر زکوٰۃ تو واجب نہیں لیکن اس پر قربانی

واجب ہے۔

### قربانی کا وقت

ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کے سورج ڈوبنے سے پہلے تک قربانی کا وقت ہے جس دن چاہے قربانی کرے لیکن قربانی کا سب سے بہتر دن دسویں کا ہے پھر گیارہویں تاریخ پھر بارہویں تاریخ۔

دسویں سے بارہویں تک جب جی چاہے قربانی کرے چاہے دن میں چاہے رات میں لیکن رات کو ذبح کرنا مکروہ تنزیہ ہے شاید کوئی رگ نہ کٹے اور اندھیرے میں پتہ نہ چلے اور قربانی درست نہ ہو۔

شہر والوں کے لیے قربانی کا ابتدائی وقت عید کی نماز کے بعد ہے اور گاؤں والوں کے لیے کہ جہاں عید کی نمازوں نہیں ہوتی صحیح صادق کے بعد ہے۔

امام عید کی نماز پڑھا چکا لیکن ابھی خطبہ نہیں پڑھا کہ کسی نے قربانی کر دی تو قربانی جائز ہے۔ البتہ اگر امام کے نمازوں پڑھانے کے دوران میں قربانی کی تو قربانی نہیں ہوگی۔

### قربانی کے جانور

بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹی، ان جانوروں کی قربانی درست ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی درست نہیں۔

بکرا، بکری، دنبہ، بھیڑ جب پورے سال کا ہو کر دوسرے سال میں لگ جائے تب ان کی قربانی درست ہے۔ اور گائے، بھینس دو برس کی مکمل ہو کر جب تیسرے سال میں لگ جائے تب ان کی قربانی درست ہوگی۔ اسی طرح اونٹ پانچ برس کا ہو کر جب چھٹے برس میں لگ جائے تب اس کی قربانی درست ہوگی۔

ان تمام جانوروں کی مذکورہ عمر میں نچلے جڑے کے دودھ کے دانتوں میں سے سامنے کے دودانت گر کر دو بڑے دانت نکل آتے ہیں جو ان کی عمر کے پورا ہونے کی علامت ہوتے ہیں، بازار سے جانور خریدتے وقت اس علامت کا خاص خیال رکھنا چاہیے اور یعنی وائل کی بات کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے، لیکن چونکہ اصل مدار عمر پر ہے اس لیے اگر کسی نے خود بکری پالی ہو اور وہ چاند کے اعتبار سے ایک سال کی مکمل ہو کر دوسرے سال میں لگ گئی ہو لیکن اس کے دو دانت ابھی نہ نکلے ہوں تو اس کی

قربانی درست ہے۔

دنبہ یا بھیڑ اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کے جانوروں میں رکھیں تو سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو سال بھر سے کم لیکن چھ ماہ سے زائد عمر کے دنبہ اور بھیڑ کی قربانی بھی درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو سال بھر کا ہونا ضروری ہے۔

خصی جانور کی قربانی درست ہے جحضور ~~خصی~~ خصی میں دھوں کی قربانی فرمایا کرتے تھے۔

گائے، بھینس، اونٹ میں اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کریں تو بھی درست ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب کی نیت قربانی کرنے کی یا عقیقہ کی ہو صرف گوشت کی نیت نہ ہو۔ اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہو گا تو کسی کی قربانی درست نہ ہوگی۔

جو جانور اندر ہایا کانا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی سے زیادہ جاتی رہی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

جو جانور اتنا لگڑا ہے کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہے چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتا یا چوتھا پاؤں رکھتا ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا اس کی بھی قربانی درست نہیں اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر لیکر چلتا ہے اور چلنے میں اس سے سہارا لیتا ہے لیکن لگڑا کر چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

جس جانور کا سینگ پیدائشی طور پر نہ ہو یا پنچ میں سے ٹوٹ گیا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے۔

جس جانور کا تہائی سے زائد کان یاد کی ہو، اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔

جس جانور کا پورا سینگ جڑ سے ہی اکھڑ جائے اور اس کا اثر دماغ تک پہنچ جائے تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

ایسا دبلاومر میں جانور جو قربان گاہ تک چل کر نہ جاسکے اس کی قربانی بھی جائز نہیں ہے۔

### قربانی کا گوشت اور کھال

قربانی کی کھال یا تو یونہی خیرات کر دے یا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت صدقہ کر دے۔

سات آدمی گائے میں شریک ہوئے اور آپس میں گوشت تقسیم کریں تو تقسیم میں اٹکل سے کام نہ لیں بلکہ خوب ٹھیک ٹھیک تول کر بانٹیں کیونکہ اٹکل سے تقسیم کی صورت میں کسی حصہ کے کم یا زیادہ ہونے میں سود ہو جائے گا خواہ شریک اس پر راضی بھی ہوں۔ اور جس طرف گوشت زیادہ گیا ہے اس کا کھانا

بھی جائز نہیں۔ البتہ اگر گوشت کے ساتھ ہر حصے میں ایسی چیزوں کو بھی شامل کر لیا جائے جو عرف میں گوشت شمار نہیں ہوتیں جیسے سری، پائے، کلیجی، پھیپھڑے اور کھال کو بھی شریک کر لیا تو جس طرف ان اشیاء میں سے کوئی چیز ہواں طرف اگر گوشت کم ہو تو درست ہے، چاہے جتنا کم ہو۔ لیکن جس طرف گوشت زیادہ ہواں طرف سری پائے بڑھائے گئے تو اب بھی سودہ ہی ہے۔ البتہ اگر سب حصوں میں ہی ایسی چیزیں شامل کر دیں تو پھر کمی بیشی کے باوجود بھی جائز ہو گا۔

تہماں ایک شخص پوری گائے ذبح کرے تو پوری گائے ایک قربانی ہو کر کل کی کل واجب شمار ہو گی۔

کھال کی قیمت مسجد کی مرمت یا کسی بنک اور رفاهی کام میں لگانا جائز نہیں۔ صدقہ ہی کرنا چاہئے۔

قربانی کے جانور کی رسی وغیرہ اور دیگر لوازمات بھی صدقہ کرنے چاہیں۔

اگر ہو سکے تو اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرنی چاہئے، مستورات بھی پر دے کے اہتمام کے ساتھ ذبح کر سکتی ہیں۔

قربانی کرتے وقت زبان سے نیت کہنا اور دعا پڑھنا ضروری نہیں۔ اگر دل میں خیال کر لیا کہ میں

قربانی کرتا ہوں اور زبان سے کچھ نہیں پڑھا فقط زبان سے بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا تو بھی

قربانی درست ہو گئی۔ لیکن اگر یاد ہو تو دعا پڑھ لینا بہتر ہے۔ ذبح سے پہلے کی یہ دعا ہے:

((اَتَيْ وَجْهَتْ وَجْهِيْ لِلَّدِيْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا آتَا هُنَّ

الْمُشْرِكِينَ اَنَّ صَلَوةَ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايِ وَمَمَاتِيْ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ

وَبِذِلِّكَ اُمْرَتْ وَآتَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اللَّهُمَّ مُنْكَرُ لَكَ ))

ذبح کے بعد کی دعا یہ ہے:

((اللَّهُمَّ تَقْبِلْهُ مِنِيْ كَمَا تَقْبَلْتَ مِنْ حَبِّيْكَ مُحَمَّدٌ وَخَلِيلُكَ ابْرَاهِيمَ

عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ))

• • •

عبدالودود ربانی

## جامعہ کے شب و روز

\* التقوی بوانہ ہائی سکول چوبرجی شاخ کا جماعت دہم کا نتیجہ الحمد للہ 100 فی صدر ہا۔ کل 18 طلبہ شریک امتحان ہوئے اور اللہ کے فضل و کرم سے 17 فرست ڈویژن میں اور ایک سینٹ ڈویژن میں پاس ہوا۔ اول آنے والے ہونہار طالب علم محمد عکاشہ ودود نے 1051 دوئم آنے والے زین فیصل نے 1027 اور سوم آنے والے سلطان اقبال نے 950 نمبر حاصل کئے۔ ہم اس کامیابی پر طلبہ اور ان کے والدین کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور اللہ کے حضور دعا گو ہیں کہ اللہ ان بچوں کو دنیا و آخرت کے ہر امتحان میں کامیاب و کامران فرمائے اور اس ادارے کو مزید ترقیاتیں فرمائے۔ آمین

\* شوال مدارس میں نئے داخلوں کا مہینہ ہوتا ہے۔ جامعہ دارالتقوی میں امسال ماضی کے برعکس کثیر تعداد میں طلبہ و طالبات نے داخلے کے لئے رجوع کیا۔ جامعہ اور اس سے متعلق شاخوں میں شعبہ حفظ اور کتب میں ہونے والے نئے داخلوں کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

\* شعبہ کتب بنین میں کل نئے داخلے 208 ہوئے جب کہ شعبہ کتب بنات میں کل نئے داخلوں کی تعداد 360 ہے۔ تخصص فی الاقاء میں 11 متخصصین کو داخلہ دیا گیا اس طرح سال جدید میں جامعہ پذرا میں کل 579 نئے داخلے ہوئے۔ فاللہ الحمد

\* جامعہ دارالتقوی لاہور کے زیر اہتمام اجتماعی قربانی کا انتظام کیا گیا ہے۔ فی حصہ (علی) مبلغ 15000 روپے اور ادنی 12000 روپے ہے۔ خواہش مند حضرات رابطہ کر سکتے ہیں۔

☆ قائد جمیعت حضرت مولانا فضل الرحمن ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کی تعریت کے لئے جامعہ دارالتسقی تشریف لائے جہاں جامعہ ہذا کی مرکزی شوریٰ کے اراکین نے ان کا استقبال کیا۔ مولانا نے مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کے صاحبزادے مفتی عبداللہ اور اراکین شوریٰ سے تعریت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کی وفات کو اہل علم کے لئے خصوصاً اور اہل پاکستان کے لئے عموماً عظیم نقشان قرار دیا۔ مولانا نے کہا کہ بلاشبہ ڈاکٹر صاحب کی وفات سے امت ایک عظیم سکالر، محقق اور فقیہ سے محروم ہو گئی ہے ان کی علمی، دینی، تحقیقی اور تدریسی خدمات سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں جنہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ان کی وفات اہل علم طبقے کے لئے کسی سانحے سے کم نہیں۔ ادارے کی مرکزی شوریٰ کے رکن حضرت مولانا عامر شید صاحب نے جامعہ کا تعارف کرتے ہوئے کہا کہ جامعہ ہذا کی بنیاد ۱۹۶۸ء میں رکھی گئی اب اللہ کے فضل و کرم سے جامعہ کی سترہ سے زائد شاخوں میں چار ہزار سے زائد بُنیٰں و بنات تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور الحمد للہ جامعہ کی مقبولیت میں روزافزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ مولانا فضل الرحمن نے ادارے کی تعلیمی، تدریسی، تحقیقی اور تبلیغی خدمات پر ادارے کے سربراہ حضرت مولانا اولیس احمد صاحب، اراکین شوریٰ، اساتذہ و معلمات اور معاونین کو مبارک باد پیش کی اور ادارے کی ترویج و ترقی کے لیے اور حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کے بلندی درجات کے لئے دعا کی۔

\* ادارہ ہذا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نور اللہ مرقدہ کی شخصیت ان کی دینی، علمی، تدریسی، تحقیقی اور ملی خدمات پر خاص شمارہ شائع کر رہا ہے جو تقریباً آخری مراحل میں ہے۔ اہل قلم حضرات جو حضرت ڈاکٹر صاحب کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کی گراں مایہ خدمات پر کچھ تحریر کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں یا ڈاکٹر صاحب کے ساتھ گزرے لمحات کی یادیں تحریر کرنے کا ذوق رکھتے ہوں تو ہمارے خاص شمارے کے صفحات حاضر ہیں جلد از جلد اپنی تحریر ماہنامہ کے پتہ پر ارسال کر دیں۔

• • •

جامعہ دارالتفوی لاہور کے زیر انتظام

# اجتماعی فربانی



میں حصہ ڈالیں

اس سال بھی عید قربان کے موقع پر حسب سابق

علماء کی نگرانی میں فریضہ کی ادائیگی  
فی حصہ

15,000



اور

12,000



شعبہ اجتماعی قربانی

بائے رابطہ

03-222-333-224

042-37414665

جامعہ دارالتفوی متصل جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور

© +923222333224 darultaqwa.online@gmail.com ifta4u@yahoo.com

🌐 www.darultaqwa.org 📱 jamiadarultaqwa 🌐 Mufti Online:+923004113082

زیر اہتمام جامعہ دارالتقویٰ لاہور

عمری حاکومت

تیجہ

## التقویٰ بوائز ہائی سکول کے طلبہ کا اعزاز

میئر 2019ء کے امتحانات میں بھی 100 فی صد رزلٹ

تمام طلباء فرسٹ ڈویژن میں کامیاب، جبکہ ایک سینڈ ڈویژن میں کامیاب

نمر شمار	نام	حاصل کردہ نمبر
.1	عکاشہ ودود	1051
.2	زین فیصل	1027
.3	محمد سلطان	950
.4	اویس بگ	938
.5	اویس انجم	936

اہل شوریٰ و تمام اساتذہ کی جانب سے ان طلبہ کے لئے ڈھیروں مباراک و دعا علیں۔

نوٹ:- انشاء اللہ عنقریب تقریب میں انعام سے نوازا جائے گا۔

التقویٰ بوائز ہائی سکول بالقابل الملاک مسجد چوبرجی پارک لاہور

04235247910 / 03005553616

+923222333224 darultaqwa.online@gmail.com ifta4u@yahoo.com

www.darultaqwa.org f/Jamiadarultaqwa Mufti Online:+923004113082